بغیر اجازت مصنف طبع کرنے کا کسی کو حق نہیں ۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

بانیٔ آریہ سماج کی تاریک زندگی بجلی کی روشنی میں

الموسومہ

انیسویں (١٩) صدی کا مہرشی

مرتبہ ایڈیٹر فاروق

یہ وہ لیکچر ہے جو خاکسار قاسم علی احمدی نے مختلف مقامات پنجاب۔ گجرات لاہور سرگودہا۔ راولپنڈی۔ گوجرہ۔ لائلپور وغیرہ ہزاروں کے مجمع میں جنمیں ہر مذہب و ملت کے اصحاب ہندو۔ آریہ۔ سکھ۔ مسلم۔ عیسائی وغیرہ صاحبان موجود تھے دیا تھا۔ اور اب اکثر احباب کی خواہش پر بنظر خیر خواہی آریہ پبلک مکمل طور پر قلمبند کرکے

بماہ ستمبر ۱۹۲۳ء

باہتمام محمد محمود پرنٹر خواجہ پریس بٹالہ میں طبع کرا کے فاروق منزل سے شائع کیا۔

بار اول ۱۰۰۰ قیمت بغیر محصولڈاک ۱۰ر

ملنے کا پتہ۔ فاروق بکڈپو قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔

فہرست مضامین کتاب ہذا

(بقیہ فہرست ٹائٹل کے تیسرے صفحہ پر دیکھو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

رسالہ ہذا کے تالیف کی وجہ

سوامی دیانند صاحب کی سوانحمری جو آریہ پرتنی ندھی سبھا پنجاب کیطرف سے سنہ ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی تھی اسکے دیباچہ میں لالہ منشی رام صاحب حال سوامی شردھانند نے ایک دیباچہ ۱۴ صفحہ کا لکھا ہے اس دیباچہ کے صفحہ ۱۰ پر ہدایت کی ہے کہ

"بھارت نواسیوں (ہندوستان کے رہنے والوں) کے لئے سوامی دیانند کے جیون برتانت (لائف) سے بڑھ کر اور کوئی مطالعہ نہیں ہو سکتا"

پھر دیباچہ کے صفحہ ۱۶ کے آخر پر لکھتے ہیں کہ

"اے میرے بچھڑے ہوئے محمدی اور عیسائی دوستو اپنے اس بھائی (دیانند) کے جیون برتانت (سوانح زندگی) کو پڑھو جس نے کہ تمہاری خاطر اپنی جان کو ہیچ سمجھا۔ دنیا کی عیش و آرام کو ہیچ سمجھا اور پرمیشور کے اٹل نیم کے آگے سر جھکاتے ہوئے اپنے مشن کو پورا کیا"

اس کے علاوہ ماسٹر آتمارام صاحب نے جو کہ جیون چرتر کے مولفین کے مصرعہ ثانی ہیں اپنے ایک مضمون میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ

"محمد صاحب کی لائف ایک معمولی لائف تھی لیکن تمام سے بڑھ کر سوامی دیانند کی لائف ہے" (آریہ مسافر میگزین)

پس یہ تحریریں میرے لئے آریہ مہرشی کی لائف پر نظر کرنے کی محرک ہوئی ہیں۔ لہٰذا میں خدا کے فضل پر بھروسہ کرکے اس دشت پُرخار میں جہاں سوائے ببول کے کانٹوں کے اور کچھ نہیں داخل ہو کر دنیا کو تمام سے بڑھ کر لائف والے کی سوانحعمری کا ضلالتناک تاریک پہلو دکھاتا ہوں۔ وباللہ التوفیق

باب اوّل

بانیٔ آریہ سماج کی تاریک زندگی

آریہ مصنفین نے اپنے گورو کی لائف لکھنے میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا کر یہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح ان کا پیشوا ایک مہاپرش (کامل انسان) ثابت ہو جائے لیکن اُن کی یہ سب لن ترانیاں محض بھولے بھالے آریوں کو جن کو عقل و علم سے کچھ واسطہ نہیں دھوکہ میں ڈال سکتی ہیں۔ سوامی جی کی زندگی کے فوٹو کو آریہ مؤرخین چاندی سونے کی ملمع سازی سے طیار کرکے جہان میں گشت کراتے ہیں لیکن اس تصویر کے دوسرے پہلو کو جو بالکل تاریکی میں ہے پبلک کی نظروں کے سامنے نہیں آنے دیتے۔ پس جب تک دونوں پہلوؤں پر نظر نہ ڈالی جائے اس خانہ ساز رشی کی بابت کوئی صحیح رائے قائم نہیں ہو سکتی۔ دیانندیوں کی غلط فہمیاں دن بدن ترقی کر رہی ہیں۔ وہ اس مہرشی کی تصویر کے چمکدار پہلو کی تشہیر میں سرگرم ہیں اور اسقدر بے باک ہیں کہ اسلام جیسے ربانی مذہب پر بغیر لکھے پڑھے بے سیکھے سکھائے نکتہ چینیاں کرنے کو موجود ہیں۔ اور ایک ایک پیسہ کی کتاب سے اسلام کی بیش بہا عظمت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہر ایک دیانندی حرف شناس ہو یا نہ ہو ہر اہم سے اہم مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے موجود ہے۔ اہل عقل و علم اُن کی اس بے تمیزی پر خون جگر کھاتے ہیں۔ وہ دو سمجھاتے سے سمجھتے نہیں

نہ بتانے سے واقف ہوتے ہیں۔ اسلئے میری رائے میں دیانندیوں کو چاہ ضلالت سے نکالنے اور گمراہ آریہ مسافروں کو سیدھا راستہ دکھانے کیواسطے سب سے زیادہ اور کارآمد تدبیر یہ بھی ہے کہ اس خطاب یافتہ مہرشی کی لائف کا تاریک پہلو جو پبلک کی نظروں سے غائب ہے مکمل صورت میں پیش کیا جائے تاکہ حق بین نگاہیں عقل و انصاف سے فیصلہ کر سکیں کہ کیا بانی آریہ سماج مہرشی کے خانہ ساز خطاب کا مستحق ہے یا شکل ایک معمولی فقیر سادھو سنیاسی کہلانیکا حقدار۔ یقین ہے کہ جب سوامی جی کی علمی۔ اخلاقی۔ مذہبی زندگی سے لوگ بخوبی واقف ہو جائیں گے تو دیانندی مت (آریہ مذہب) کی حقیقت کو جس کے بانی اور حامی سوامی جی مہاراج ہیں خوب پہچان لیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب کسی مذہب کے بانی یا مصلح کے کیرکٹر پر جو مہرشی کی ڈگری پاتے ہوئے ہو جو ویدک دھرم کا اعلیٰ نمونہ بھی ہو ایسے ایسے بدنما داغ ہوں جن کا ذکر بہ تفصیل اس سلسلہ میں آگے آئیگا۔ تو اس مذہب کی صداقت کبھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔ بنابریں میں نے یہ چاہا ہے کہ اس خدمت کی انجام دہی میں بغیر کسی تعصب اور ضد کے خود سوامی جی اور ان کے پیرؤں کی تالیفات سے سوامی جی کا اصلی روپ اور صحیح مرقع دنیا کے سامنے پیش کر دوں۔

سوامی دیانند کی سوانحعمری

مجھے یہ خوب معلوم ہے کہ دیانندی مؤرخین نے جو ایک ضخیم کتاب بنام جیون چرتر لکھ کر شائع کی ہے جس کے ابتداء میں خود سوامی جی کی لکھی ہوئی سوانحعمری بھی شامل ہے۔ اس کے مطالعہ سے ۹۵ فیصدی آریہ مہاشے بھی محروم ہیں چہ جائیکہ غیر آریوں نے اسکو پڑھا ہو۔ اس کتاب کے ۹۴۶ صفحے بڑی تقطیع پر علاوہ دیباچہ منشی رام جی کے ہیں۔ بھلا کس مہاشہ کو ضرورت تھی کہ جس شخص کو مہرشی کا خطاب دیا جا چکا ہو اس خطاب کے بعد بھی اسکی زندگی کی دیکھ بھال کرے۔ اور غیر آریوں کو تو ادھر دیکھنے کی تمنا ہی نہ تھی۔ اسی وجہ سے اس ڈھول کا پول نظر سے

چھپوار ہا۔ افسوس ہے کہ کسی عیسائی یا مسلمان یا کسی سناتن دھرمی نے اردو زبان میں کوئی لائف اس لفظی مہاپرش کی تیار نہیں کی۔ البتہ ایک جینی نے ہندی میں "دیانند چھل کپٹ درپن" نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو سمت ۱۹۵۱ بکرمی میں بمقام احمد آباد (گجرات) یونین پرنٹنگ پریس میں چھپکر شائع ہوئی اور وہ خدا کے فضل سے ہمارے پاس موجود ہے۔ اسلئے بامجبوری مجھے انہی لائفوں خصوصاً "جیون چرتر" مرتبہ پنڈت لیکھرام و لالہ آتمارام سے اس سلسلہ مضمون کو اخذ کرنا ہوگا۔ اور توکل بخدا میں اسی خاک کے انبار سے مفید مطلب جواہرات چُننے کی کوشش کرونگا۔ اسمیں شک نہیں کہ لیکھرام ایک غالی آریہ تھا اور اوسنے ایک رُخی سے کام لیکر سوامی جی کے ملمع والے پہلو کو مبالغہ کے ساتھ خوشنما بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور دوسرے پہلو کو جو تاریکی سے پُر تھا چھپایا ہے۔ چنانچہ میرے اس بیان کی تائید لالہ لاجپت رائے صاحب آریہ نے جو سوامی جی کی سوانحعمری ہندی میں لکھی ہے۔ اسکے دیباچہ میں اس طرح کی ہے کہ پنڈت لیکھرام اور آتمارام نے جو "جیون چرتر" لکھا ہے اس میں ان دونوں نے

"بعض معاملات کے متعلق محض ایک رُخی سے کام لیا ہے۔ بیاگرافر (سوانح نویس) کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ واقعات کو چھپاوے یا دباوے یا صرف اس قسم کے واقعات کو اکٹھا کرے جو اس کے خالات کی تائید کرتے ہوں۔ بلکہ بیاگرافر کا کام یہ ہے کہ ایک مہاپرش کی زندگی کے متعلق جملہ واقعات کر پبلک کے روبروئے پیش کردے۔ اور آیندہ آنیوالی نسلوں کو موقعہ دے کہ وہ اس مہاپُرش (کامل انسان) کی بابت آزادانہ رائے قائم کریں۔"

(دیباچہ لاجپت رائے)

ان مشکلات کے ہوتے ہوئے بھی مینے اپنے اس مضمون کے لئے آریہ سماجیوں

کی تالیفات پر ہی زیادہ تر قناعت کی ہے۔

مہرشی کا خطاب

قبل اسکے کہ میں سوامی جی کی لائف کا تاریک پہلو پیشکروں مہاشہ خورسند صاحب ایڈیٹر آریہ گزٹ اور چرنجی لعل پریم صاحب ایڈیٹر پرتاپ اور مسٹر کرشن صاحب ایڈیٹر پرکاش اور ماسٹر لکھشمن صاحب ایڈیٹر آریہ مسافر دہلی سے خصوصاً اور تمام دیانندیوں سے عموماً یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ دیانند سرستی جی مہاراج کو جو "مہرشی" کا خطاب ملا ہے یہ کس نے دیا ہے؟ کیونکہ سوامی جی مہاراج تو اپنے لئے رشی کہلانا بھی زنگی کا نام کافور رکھنے کا مصداق سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ رشی تو درکنار مجھے تو وِدْوَان (عالم) سمجھنا بھی مشکل ہے۔ چنانچہ لالہ آتمارام صاحب "جیون چرتر" کے آخر میں سوامی جی کا جواب نقل کرتے ہیں کہ

"ایک دفعہ ممالک مغربی شمالی کے ایک مشہور نگر (شہر) میں کسی شخص نے اُن سے کہا کہ سوامی جی آپ تو رشی ہیں۔ جواب میں سوامی جی کہنے لگے کہ رشیوں کے "نا" ہیں مجھے رشی کہہ رہے ہو لیکن سچ جانو کہ اگر میں کنادرشی کے سمے میں اُتپن (پیدا) ہوتا تو اس وقت کے ودوانوں (عالموں) میں بھی بمشکل گنا جاتا۔" صفحہ ۹

سوامی جی کے اس جواب سے جو سچائی پر مبنی ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رشی کی ڈگری کے مستحق نہ تھے بلکہ معمولی پنڈت تھے پھر کیا یہ "مہارشی" کا خطاب انکو انکی زندگی میں دیا گیا تھا جس کو انہوں نے قبول و منظور کرلیا یا انکی موت کے بعد یہ ٹائٹل ملا۔ اسکے جواب کے لئے ہم قارئین کرام کو زیادہ انتظار میں رکھنا نہیں چاہتے۔ اتنا ضرور خیال رکھیں کہ "مہارشی" کا وہ خطاب ہے جو ویاس جی (ہندوؤں کے مشہور پیشوا) کے زمانہ کے بعد سے آجتک کسی کو بھی یہ درجہ حاصل کرنے کی جُرأت نہیں ہوئی۔ یہانتک کہ سوامی شنکر جی کو بھی صرف آچاریہ (استاد زمانہ) کی

ڈگری دی گئی۔ رشی کہلانا انکو بھی نصیب نہ ہوا۔ چہ جائیکہ مہرشی ہوں لیکن انیسویں صدی کے سادھو کو بلا دھڑک "مہارشی" کا درجہ دیا جاتا ہے۔ مگر کیسے؟ جبکہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔!

ڈگریاں کون دیتے ہیں یہ امر ادنیٰ تامل سمجھ میں آتا ہے کہ کسی شخص کو کوئی ڈگری اگر دیجاتی ہے تو ڈگری دینے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس شخص کی لیاقت کا امتحان کر کے اوسکو ڈگری دیتے ہیں۔ مثلاً بی۔ اے یا ایم۔ اے یا ایل ایل بی وغیرہ ڈگریاں وہ لوگ دیتے ہیں جو اُن علوم سے بخوبی ماہر ہوتے ہیں جن کے حاصل ہو جانے پر کسی کو یہ ڈگریاں مل سکتی ہیں۔ اسیطرح مہاتما شنکر کو ایک باقاعدہ عالموں فاضلوں کی کمیٹی نے باتفاق رائے فیصلہ کر کے آچاریہ (استادِ زمانہ) کا درجہ دیا۔ کیا اسی طرح سوامی دیانند سرستی جی کو "مہرشی" کی پدوی ودیا سبھا (عالموں کی جماعت) نے باتفاق رائے دی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر وہ مہرشی کیسے بن گئے؟ میں بتاتا ہوں کہ یہ خطاب مہاراج جی کو ایسے عالموں فاضلوں نے عطا فرمایا ہے جن کو خطاب عطا کرنے کے وقت یہ بھی خبر نہ تھی کہ رشی لفظ کے کیا معنے ہیں۔

دیانند جی کو کس نے مہرشی بنایا؟ ناظرین آپ سُنکر حیران ہو جائینگے۔ کہ اس خطاب کے عطا کرنے والا صرف ایک شخص ہے جس کی علمی لیاقت اور سنسکرت دانی اور مذہبی قابلیت کا مہاتما منشی رام صاحب حال سوامی شردھانند جی نے جو آریہ سماج کی مہاتما پارٹی یا دیانندی پنتھ کے معزز لیڈر رہیں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"کیا ماسٹر جی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ جو وید وں کے معنے مطلب وہ اپنے لیکچروں میں ظاہر کیا کرتے ہیں۔ وہ محض وید منتروں کو دیکھنے سے ہی اُن پر افشا ہو گئے تھے۔ وید انگ مول یعنی متن

تو شاید ماسٹر جی سمجھ ہی نہیں سکتے۔ رشی دیانند کی محض سنسکرت تفسیر بھی اگر ان کے سامنے رکھی جاوے تب بھی وہ شاید سمجھ سکیں گے جب تک کہ پنڈتوں کا کیا ہوا آریہ بھاشا ہندی کا ترجمہ پڑھنے اور اسپر غور وخوض کرنے کی [illegible] نہ دیجائے۔"

(ست دھرم پرچارک جالندھر ۱۸ جلد ۲۶ مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۰۴ء)

اس اکیلے لاثانی آچاریہ ودوان ماسٹر جی بہادر نے جنکا نام نامی واسم گرامی ماسٹر آتما رام امرتسری آریہ ہے اپنی دیا سے سوامی جی کی سوانحعمری مرتبہ لیکھرام کا آخری حصہ ترتیب دیتے وقت یہ مہرشی کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ سوامی دیانند جی

"وہ نش فقیری سے نہیں کنتو رشی فقیری سے تعلق رکھتے تھے انکے پوتر دھارمک سماو نشت جیون (مقدس مذہبی زندگی) میں ہمیں (جنہوں نے کبھی کسی رشی منی کو عمر بھر دیکھا بھی نہیں۔ فاروقی) رشی منیوں کے جیون کا درشٹانت (نمونہ) ملتا ہے انکی کیرکٹرایک لفظ میں یہ کہدینے سے بیان ہو سکتی ہے کہ وہ "مہرشی" تھے۔" صفحہ ۹۸

چلو چھٹی ہوئی۔ اب کیا تھا آج سے لنگوٹ بند سادھو کو مہارشی کہنا شروع ہو گیا ہے۔ اور آئندہ ہر تحریر و تقریر میں مہرشی دیانند کے اعلیٰ خطاب سے وہ پکارے جائیں گے۔ یہ ہے مہرشی خطاب کی حقیقت جس کو ایک سنسکرت سے جاہل دھرم سے ناآشنا انسان محض خوش اعتقادی کی بنا پر بلا جانے بوجھے مہرشی بنا دیتا ہے آگے کوئی نہیں پوچھتا کہ سوامی جی کو یہ اعلیٰ درجہ کہاں سے مل گیا۔ پس اب کیا تھا ہر چھوٹے بڑے نے مہرشی۔ مہرشی دیانند کہنا اور لکھنا شروع کر دیا۔ غنیمت ہے کہ دیو نہیں بنا ڈالا گو ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں دیوتا ہی بنجائے۔

ماسٹر آتما رام کا انجام اس سے آگے مزیدار قصہ اور سنو! کہ یہی ماسٹر آتما رام جی جنھوں نے سوامی جی کو مہرشی کا خطاب عطا فرمایا تھا

اور سوامی جی کو نربھرانت (خطا سے منزہ) سمجھتے تھے۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں اپنے مہرشی کو غلطی کرنیوالا ویدوں کے خلاف بعض مضا و عقائد بیان کرنیوالا ماننے لگے۔ ان ماسٹر صاحب کا ایک اخبار "ہتکاری" امرتسر سے نکلتا تھا۔ اوسمیں لگاتار سوامی جی کے خیالات اور بعض تحریرات پر آرٹیکل نکالنے شروع کئے۔ اونکے جواب میں مہاتما منشی رام جی نے ۱۲ اگست سنہ ۱۹۰۴ء کے اپنے اخبار "ست دھرم پرچارک" میں "آریہ سماج کی حالت واقعی نازک ہے" کے ہیڈنگ سے قریب ۱۲ صفحہ کا مضمون لکھا جس میں سے تھوڑا سا اقتباس ہم ناظرین کو سُناتے ہیں۔ مہاتما جی لکھتے ہیں۔

"میں مطمئن تھا کہ موجودہ آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کچھ تدبیریں ہو رہی ہونگی لیکن ۲۹ جولائی کے ہتکاری کے دیکھنے سے میری یہ جملہ اُمیدیں یاس سے تبدیل ہوگئیں میں مدت سے دیکھ رہا ہوں کہ ماسٹر آتما رام جی کے خیالات میں بڑی بھاری تبدیلی واقع ہو رہی ہے جو خیالات آریہ سماج کے اصولوں اور رشی سوامی دیانند مہاراج کی شخصیت کی نسبت اونکے پہلے تھے وہ اب نہیں ہیں"

یہ ہے مہرشی کا خطاب عطا کرنیوالے کا انجام کہ وہ مہرشی کو اب اس درجہ پر قائم کرتا ہے جس کی تحریرات پر وہ اعتراض کرکے اسکی غلطیاں نکال سکتا ہے۔ گویا وہ مہرشی سے اب منش شریمی کا ایک فرد معمولی پنڈت یا سنسکرت کا ایک عالم سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال اسیطرح کا مدوجزر آریہ لیڈروں میں رہتا ہے مگر غیروں کے مقابلہ میں سوامی جی کو مہرشی کہے بغیر نہیں سرتی۔

اس کے بعد ہم سوامی جی کے تاریک پہلو پر روشنی ڈال کر سارے سیاہ دھبے دکھاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

سوامی جی کا نام اور ولدیت سکونت اور قومیت

سب سے پہلی تاریخی خطاب یافتہ مہرشی کے نام ولدیت سکونت قومیت پر ایسی چھائی ہوئی ہے کہ جسکا روشنی میں لانا ایک غیر آریہ

کے لئے تو کیا خود آریہ سماجیوں کو بھی مصیبت اور اندھیرے میں ڈال رہا ہے۔ مگر کچھ بھی ہو جو کچھ معلومات ہمیں آریہ مصنفین سے ملے ہیں اون سے ہی ہم ایک صحیح نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پنڈت لیکھرام "جیون چرتر" مرتبہ خود کے صفحہ ۳ پر اپنی تحقیقات کی بنا پر سوامی جی کا پیدائشی نام مول شنکر اور اون کے باپ کا نام انبا شنکر اور قوم اودیچ برہمن اور سکونت ریاست موروی خاص قرار دیتا ہے جس کے ثبوت میں وہ بیان کرتا ہے کہ دسمبر سنہ ۱۸۸۸ء سے لیکر اخیر سنہ ۱۸۹۶ء تک مینے مسلسل تحقیقات کی۔ کاٹھیاواڑ میں جو سوامی جی کا اصل وطن ہے ڈیڑھ ماہ کے قریب پھرتا رہا اور اس علاقہ کے تمام گاؤں چھان ڈالے مگر پچھلے سال

(۱) "امرتسر میں ایک مہاتما سادھو (جو چھ سال تک سوامی جی کے ساتھ رہے جنکا نام گوبندا نند سرسوتی ہے) سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے فرمایا کہ سوامی جی کے پتا (باپ) کا نام انبا شنکر اودیچ برہمن تھا"

(۲) "پنڈت جوالا دت اور مسٹر رام داس چھبیلداس بیرسٹرایٹ لا بمبئی اور ٹھاکر مکند سنگھ رئیس چھلیسر کی زبانی معلوم ہوا کہ سوامی جی کا جنم نام مُول شنکر تھا"

(۳) "سنہ ۱۸۷۶ء کے اخیر میں دہلی جو قیصری دربار ہوا تھا اُسمیں سوامی جی کے ڈیرے پر چند کاٹھیاواڑ کے رؤسا بھی تشریف لائے تھے اُنہوں نے سوامی جی کو مول شنکر کے نام سے پکارا تھا جنہیں سوامی جی نے جُدا لے جاکر منع کر دیا"

(۴) "سوامی جی کے پونا والے لیکچر اور تیز نامہ نگار (لیکھرام) کی تحقیقات سے تو خاص موروی شہر اون کا جنم استہان (جائے ولادت) معلوم ہوتا ہے" مگر پنڈت لیکھرام صاحب کو سوامی جی کا مُول شنکر نام ہونا تو بمبئی کے بیرسٹر اور چھلیسر کے رئیس سے معلوم ہوا اور اُن کے باپ کے انبا شنکر نام کا ایک ایسے

سادھو سے پتہ لگا جو امرت سر میں ملا تھا اور چھ سال وہ سوامی جی کے زمانہ آوارہ گردی میں اونکے ساتھ رہا تھا لیکن اونکو خاص سوامی کے وطن اور علاقہ کاٹھیا واڑ کے تمام دیہات کے دورہ سے ان دونوں ناموں کا کچھ سراغ نہ ملنا حیرت انگیز امر ہے۔ مہاشہ لکشمن جی ایڈیٹر "آریہ مسافر دہلی" اور مہاشہ کرشن جی ایڈیٹر "پرکاش" ذرا انصاف سے کہو کہ کیا اسیقدر تحقیقات پر ایک محقق کو سر تسلیم خم کر کے مان لینا چاہیئے کہ واقعی سوامی جی کا پیدائشی نام مُول شنکر اور اونکے باپ کا نام انبا شنکر تھا اور وہ اودیچ برہمن تھے ؟ کیا لیکھرام جی کو باوجود کاٹھیاواڑ میں ڈیڑھ ماہ تک گشت کرنے اور راجہ کی امداد سے اوس علاقہ کے تمام گاؤں یکے بعد دیگرے چھان ڈالنے اور ریاست موردی میں جا کر تحقیقات کرنیکے اتنا بھی علم نہ ہوا کہ کوئی مُول شنکر ولد انبا شنکر نام برہمن کا لڑکا یہاں سے کبھی بھاگا تھا۔ اور انبا شنکر نام کا کوئی اودیچ برہمن وہاں ہوا ہے ؟ کیا ہمارا یہ حق نہیں ہے۔ کہ ہم اس ناقابل قبول تحقیقات کو رد کر کے یہہ کہدیں کہ باپ بیٹے کا نام اور قوم محض فرضی ہے۔ اور موردی میں کوئی اس نام کا واقف کار نہ تھا۔

اور سنو! مہتہ رادھا کشن آریہ نے جو کتاب "سوامی دیانند اور اونکی تعلیم" لکھکر شائع کی ہے اوسمیں وہ اس لیکھرامی تحقیقات کے خلاف بجائے موردی کے سوامی جی کی جائے پیدائش اور سکونت "دہول گڈھ" بتلاتے ہیں۔ چنانچہ وہ مذکورہ بالا کتاب مطبوعہ بار دوم ۱۹۱۵ء ہندوستان سٹیم پریس لاہور کے صفحہ ۴ پر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ

"ایک سنیاسی سوامی جی کی جائے پیدائش دہول گڈھ گورنان کی چھاپہ ریاست جامپور صوبہ کاٹھیاواڑ بتاتے ہیں"

لو اور سنو!! دہلی کے ایک ہندو صاحب نے جنکا نام کنور دیال ہے اخبار دہرم جیون میں سوامی جی کے متعلق ایک مضمون طبع کرایا تھا کہ سوامی جی "رامپور" کے جو موردی ریاست کا ایک گاؤں ہے رہنے والے تھے۔ دیکھو اخبار مذکور مورخہ

۱۷ جون ۱۸۹۹ء وہ لکھتے ہیں کہ

"موضع رامپور ریاست موردی صوبہ کاٹھیاواڑ میں ایک برہمن نادو کا پڑی رہتا تھا۔ اس کے گھر سمت ۱۸۸۰ بکرماجیت میں اُن (سوامی دیانند) کا جنم ہوا تھا"

اور سنو!!! چودہری جیالال صاحب جینی رئیس فرخ نگر ضلع گوڑگانوہ بھی سوامی جی کی زاد بوم موضع رامپور ریاست موردی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی ہندی کتاب "دیانند چھل کپٹ درپن" میں لکھتے ہیں۔ کہ

"راج دہانی مہاراج موردی میں رامپور نام ایک چھوٹا سا گرام (گاؤں) ہے۔ اوس گرام میں بھجن ہری نام کا پڑی رہتا تھا اسکے کیول ایک کنیا (لڑکی) کے سوا کوئی پُتر (بیٹا) نہیں تھا۔ اس کے ایک چھوٹا بھائی سیتارام ہری نام تھا اسکے بھی کوئی پُتر نہیں تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں بھجن ہری کی استری (جورو) کو گربہ (حمل) رہا سمت ۱۸۸۱ بہادر شکل ترمی گوردار کے دن پُتر کا جنم ہوا۔ شوبھجن اسکا نام دھرا"

(ملخصاً من موضع الحاجۃ بقدر ضرورت کتاب مذکور مک)

ان حوالجات سے لیکھرامی تحقیقات سب ملیامیٹ ہو جاتی ہے۔ چونکہ آریہ صاحبان کی طرف سے اسکی کما حقہ ایسی تردید جو مدلل اور قابل قبول ہو آج تک کوئی نہیں ہوئی اسلئے ہر ایک محقق کا حق ہے کہ وہ ان سے فائدہ اُٹھائے اور انیسویں صدی کے خطابی مہرشی کی حقیقت کھولکر بتائے۔

۱۹۲۲ء کی جدید تحقیقات

آؤ اب سنہ گذشتہ کی آرین تحقیقات سنو! جو لیکھرامی واقعات پر جھاڑو پھیر کر بالکل نئے اور جدید معلومات کا ذخیرہ پیش کرتی ہے ۱۹۲۲ء میں آریہ پرتی ندہی سبھا پنجاب نے پروفیسر رام دیو کو سوامی جی کے گھر بار نام و نشان کا کھوج نکالنے کے لئے منتخب کیا تو رام دیو صاحب ریاست موردی میں گئے وہاں سے خوب

چھان بین کر کے آپ نے ایک رپورٹ شائع کی۔ جو آریہ اخبار پرکاش لاہور مورخہ ۳۰ اسوج سمت ۱۹۷۹ کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع ہوئی ہے۔ اسمیں رام دیو صاحب لیکھرام کے بالکل خلاف سوامی جی کی جائے پیدائش نام و نشان و لدیت وغیرہ کا کھوج نکالکر سُناتے ہیں

(۱) "موردی میں چھوٹے لال ایک فسٹ کلاس مجسٹریٹ ہیں اُن کا کتھن (بیان) ہے کہ سوامی جی کا جنم ستھان (جائے پیدائش) سجن پور ہے" (رپورٹ ص۲)

اسکے ثبوت میں وہ مجسٹریٹ صاحب یہہ دلیل دیتے ہیں کہ یہاں ۱۸۶۱ء میں ایک بنگالی بابو دیویندر ناتھ سوامی جی کی جائے پیدائش کا پتہ لگاتے آئے تھے۔ تو راجہ موردی نے اونکو بُلا کر پوچھا تھا کہ تم کیوں آئے ہو۔ بابو نے جواب دیا کہ دیانند کی جائے پیدائش کا کھوج کرنے۔ اس پر مہاراج موردی نے کہا۔

"جب سوامی جی راجکوٹ میں آئے تھے اور راج کمار کالج میں اُن سے میری بھینٹ (ملاقات) ہوئی تھی تو رشی (دیانند) نے اونکو کہا تھا کہ سجن پور میں اُن کا جنم ہوا تھا"

اسکے خلاف لیکھرام صاحب جو راجہ صاحب موردی کی روایت معرفت پنڈت کانشی رام ایم اے ہیڈ ماسٹر ہائی سکول موردی بیان کرتے ہیں۔ اسمیں راجہ صاحب دیانند جی کی سکونت ریاست موردی بتاتے ہیں۔ دیکھو "جیون چرتر" کلاں مرتبہ لیکھرام طبع اوّل کا صفحہ ۲ سطر ۲۱-۲۲-۲۳-۲۴۔ معلوم نہیں کہ راجہ صاحب موردی نے غلط بیانی کی ہے یا درمیانی راویوں مسٹر چھوٹے لال مجسٹریٹ اور پنڈت کانشی رام ہیڈ ماسٹر موردی نے؟ اس کا فیصلہ دیانندی دوست جلد شائع کریں۔ آگے پروفیسر رام دیو صاحب فرماتے ہیں:-

(۲) "کاٹھیاواڑ میں عام طور پر گھر گھر یہی چرچا ہے کہ دیانند کا جنم استھان (جائے پیدائش) ٹنکارا ہے" (مگر یہ چرچا رام دیو صاحب کے جانے پر خانہ بخانہ ہونے لگا تھا ورنہ لیکھرام جی کے سامنے کوئی نام بھی سوامی جی کا نہ لیتا تھا۔ فاروق)

(۳) "کبھی کبھی یہ بھی سُنائی دیتا ہے کہ وہ میگھ پور جھوا پور میں اُتپتن (پیدا) ہوئے تھے۔

(۴) "کوئی کوئی دھیمی آواز میں یہ بھی کہتا ہوا سُنائی دیتا ہے کہ ان کا جنم استھان منیانا تھا" (رپورٹ ص۲)

چونکہ پروفیسر رام دیو جی بڑے وِدوان عالم ہیں۔ گوروکل کانگڑی میں پروفیسر رہ چکے ہیں۔ بی۔ اے بھی ہیں اسلئے ان ساری اونچی اور نیچی آوازوں میں سے ٹنکارا والی آواز کو جو گھر گھر سے نکلتی تھی ترجیح دیتے ہوئے سوامی جی کو ٹنکارا کا رئیس زادہ بتاتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ موردی کے اودیچ برہمنوں کے کسی خاندان میں کبھی ایسا واقعہ ہی نہیں ہؤا کہ اونکا کوئی لڑکا بھاگ گیا ہو اسلئے موردی میں دیانند جی کی پیدائش نہیں ہوئی۔ اور سوامی جی نے جو اپنی خود نوشت سوانحعمری میں یہ لکھا ہے کہ موردی شہر میں میری پیدائش ہوئی۔ تو یہاں شہر سے مراد "ریاست" ہے (رپورٹ ص۵) اسکے بعد آپ فرماتے ہیں کہ

(۵) "کاٹھیاواڑ بھر میں پرسدھ (مشہور چرچا) ہے کہ رشی (دیانند) ٹنکارا کے رئیس تھے۔ گاؤں میں مشہور ہے کہ اسّی پچاسی برس ہوئے کو بیرجی کے ایک مندر میں شوراتری کو ترپاٹھیوں کے ایک لڑکے نے چُوہا نکلنے پر اپنے پتا سے کئی پرکار (قسم) کے ترک وترک (سوال وجواب) کئے تھے۔ لڑکے کے پتا (باپ) کا نام کرشن جی لال جی تھا۔ اسکا بھائی بلبھ جی تھا۔ اس کی بڑی بہن پریم بائی تھی"

"کرشن جی کا ایک ہی پتر مول جی (دوسرا نام دیارام دیال جی) بھاگ گیا تھا اور بلبھ جی مر گیا تھا" ص۶ اس کی ایک بہن ہیضہ سے مر گئی تھی۔

کرسن جی (دیانند کا باپ) بڑا دھنی (دولتمند) تھا یعنی لین دین کا کام کرتا تھا۔ اسکے گھر میں گائے بھینسیں بھی تھیں۔" ص۸ کرسن جی (دیانند کے باپ) کے کوئی سگا بھائی نہ تھا۔ دو برادری کے بھائی تھے۔" ص۹

رام دیوی تحقیقات کا خلاصہ

پروفیسر رام دیو صاحب نے اپنی سعی او کوشش سے پنڈت لیکھرام صاحب کے بلکہ بعض امور میں خود سوامی جی مہاراج کے خلاف یہ کھوج نکالا ہے کہ سوامی جی کا نام مُول شنکر نہ تھا بلکہ مول جی یا دیارام دیال جی تھا۔ اور اُن کے باپ کا نام کرشن جی لال جی تھا۔ نہ کہ امبا شنکر۔ اور ان کی جاء ولادت وسکونت ٹنکارا ریاست موردی تھی نہ خاص موردی۔ یا بقول راجہ موردی سبحن پور یا بقول بعض جھوا پور یا متیانا وغیرہ۔ اور سوامی جی کا کوئی حقیقی چچا نہ تھا۔ بلکہ دور کے رشتہ سے دو چچا تھے اور سوامی جی کی ایک بڑی بہن تھی اور ایک چھوٹی۔ اور صرف ایک بھائی تھا جس کا نام بلبھ جی تھا اور سوامی جی کے پتا ساہوکارہ لین دین کرتے تھے۔ سرکاری جمعداری وغیرہ نہیں۔ یہ ہے جدید تحقیقات سوامی جی کے ابتدائی حالات کی کہ خود سوامی جی تو اپنی جاء پیدائش خاص موردی بتاتے ہیں اور لیکھرام بھی بروایت مہاراجہ موردی اسی کی تائید کرتا ہے۔ اس کے خلاف مہتہ رادھا کرشن دھول گڈھ ریاست جام پور بیان کرتے ہیں۔ ان کے خلاف لالہ کنور دیال دہلوی اور چودھری جیا لال جینی فرخ نگری اَم پور علاقہ موردی قرار دیتے ہیں۔ ان سب کے خلاف جدید تحقیقات جو پروفیسر رام دیو صاحب نے ۱۹۲۳ء میں کر کے آئے ہیں وہ موردی کی بجائے بروایت راجہ صاحب موردی سبحن پور اور بعض کی زبانی بیگھر پور۔ جھوا پور متیانا فرماتے ہیں۔ اور تحقیقی طور پر پروفیسر صاحب کے نزدیک ٹنکارا جائے پیدائش ہے اور آجکل تمام آریوں نیں یہی زبان زد ہو گئی ہے مگر لیکھرام جی ٹنکارا کے متعلق صریح لفظوں میں لکھتے ہیں کہ۔

"قصبہ ٹنکارا سے کوئی آدمی مفقود الخبر ہوا نہیں پایا جاتا جسکا سوامی جی کی بابت شبہ ہوا اور نہ جٹا شیر کا مندر وہاں سے نزدیک ہے نہ برہمنوں کے

پٹھن پاٹھن کا وہاں کوئی سلسلہ ہے۔ یہ ساری باتیں موردی ہی میں موجود ہیں۔"
(جیون چرتر کلاں ص۳۲ سطر ۱۸-۱۹-۲۰)

یہ تو ابتدائی بیان ہے جو لیکھرام سے منقول آریہ کی تحقیق کا نچوڑ ہے کہ دیانند کا ٹنکارا سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر ۱۹۲۳ء کا آریہ مؤرخ ٹنکارا ہی جائے پیدائش ٹھہراتا ہے۔ اس سے بڑھ کر تاریکی میں کسی کی لاالٹ کیا ہوگی۔

ناموں کا اختلاف

جائے پیدائش کے اختلاف کے ساتھ سوامی جی کے باپ کے نام میں اور سوامی جی کے اصلی نام میں بھی کافی اختلاف ہے۔ پنڈت لیکھرام صاحب منقول آریہ بروایت گوبند انند سرسوتی اورت سری ساد سو سوامی جی کے باپ کا نام انبا شنکر اور سوامی جی کا نام بروایت مکند سنگھ رئیس چھلیسر مُول شنکر لکھتا ہے۔ دیکھو جیون چرتر کلاں ص۳۰ اور چودھری جیالعل جینی اور لالہ کنور دیال دہلوی سوامی جی کے باپ کا نام ہر وبھن اور سوامی جی کا نام شو بھجن بیان کرتے ہیں۔ ان سب کے خلاف پروفیسر رام دیو صاحب اپنی جدید تحقیقات میں سوامی جی کے باپ کا نام کرسن جی لال جی اور سوامی جی کا نام دیارام دیال جی ظاہر کرتے ہیں۔ اس اختلاف کثیر کا فیصلہ آریہ دوستوں کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہیں جھوٹا یا غلط قرار دیں جس کو چاہیں صحیح تسلیم کریں۔ آگے اور اختلاف سنو!

گورو اور چیلے میں اختلاف

کہ اس خطابی مہرشی نے جو اپنی سوانحعمری خود لکھی ہے بعض موقعوں میں ان سے لیا اختلاف ہے جیسے رات اور دن کا اور وہ یہ ہیں۔

(۱) سوامی جی لکھتے ہیں کہ "گجرات دیش میں ایک سماج استھان (ریاست) ہے اس کی سرحد پر مچھو کانٹھا ندی کے کنارے ایک موردی شہر ہے وہاں سمت ۱۸۸۱ بکرمی میں میرا جنم ہوا۔" (سوامی جی کا جیون چرتر ص۲)

اسی کے مطابق پنڈت لیکھرام صاحب لکھتے ہیں کہ

"ریاست موردی کے راجہ صاحب سے جب مینے معرفت پنڈت کاشی رام

سیوک رام ایم۔ اے ہیڈ ماسٹر ہائی سکول موردی سے دریافت کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ جب سوامی جی راجکوٹ میں تشریف لائے تھے ہم وہاں کے راج کمار کالج میں پڑھتے تھے۔ وہاں پر وہ ہمارے کالج میں بھی پرنسپل صاحب کی مُلاقات کو آئے تھے ہمنے اونکے درشن کئے۔ اور دریافت سے معلوم ہُوا کہ وہ ریاست موردی کے رہنے والے تھے" ص۳

یہہ دونوں بیان بلاواسطہ اور بالواسطہ سوامی جی کے ہیں۔ جن میں وہ اپنی سکونت موردی شہر بتاتے ہیں۔ مگر اسکے خلاف رام دیو صاحب ٹنکارا جائے سکونت قرار دیتے ہیں۔ اور "شہر موردی" سے ریاست موردی مُراد لیتے ہیں۔ جو سراسر غلط ہے۔ کیونکہ سوامی جی کا یہ تحریر کرنا کہ گجرات دیش میں ایک راج استھان ہے۔ اوس راج ستھان کی سرحد پر مچھو کا ٹھاندی ہے اوس ندی کے کنارے ایک موردی شہر ہے۔ اُس موردی شہر میں میری پیدایش ہوئی۔ کسی طرح بھی شہر سے ریاست مُراد نہیں لینے دیتا۔ اگر ٹنکارا یا سجن پور وغیرہ کے سوامی جی رہنے والے ہوتے تو راج استھان کی سرحد پر مچھو کا ٹھاندی کے کنارے والا شہر موردی بیان کرنیکی ضرورت نہ تھی بلکہ یوں کہتے کہ کاٹھیاواڑ کے دیش ریاست موردی کے علاقہ میں میرا جنم ہوا تھا نہ کہ ساری سرحد کا ذکر کرتے ہوئے خاص موردی شہر کو مخصوص کرتے۔ پس گورو کے بیان سے چیلے کا اختلاف کرنا کچھ معنے رکھتا ہے جو آگے چلکر ہم بتائیں گے۔

دوسرا اختلاف سوامی جی لکھتے ہیں کہ

"مجھ سے چھوٹی ایک بہن پھر اُس (بہن) سے چھوٹا ایک بھائی پھر (ان دونوں بہن بھائی کے بعد) ایک بہن اور ایک بھائی ہوئے۔ ارتھات دو بہن اور دو بھائی اور ہوئے تھے تب تک میری سولہ برس کی اوستھا (عمر) ہوئی تھی" ص۳

اس سے ظاہر ہے کہ سوامی جی سب سے بڑے تھے اور اُن سے علاوہ اونکی دو بہنیں اور دو بھائی تھے جو سب اُن سے چھوٹے تھے۔

مگر رام دیو صاحب کی تحقیقات میں سوامی جی کا صرف ایک بھائی بلبھ جی تھا اور دو بہنیں ایک بڑی جسکا نام پریم بائی تھا۔ اور ایک چھوٹی جو ہیضہ سے مرگئی تھی۔ گویا کل دو بھائی اور دو ہمشیرہ تھیں۔ سوامی جی اپنے آپ کو سب سے بڑا بتاتے ہیں۔ رام دیو جی پریم بائی کو ان سے بڑی بہن بتاتے ہیں۔ اور ایک بھائی کا پتہ ہی نہیں دیتے۔ اس صورت میں سوامی جی کا بیان صحیح مانا جائے یا رام دیو جی کا۔ اس اختلاف بیانی میں رام دیو صاحب کو مطابقت کرنی سخت دُشوار معلوم ہوتی ہے۔ مگر رفع اختلاف کے نا ممکن ہونے پر بھی رام دیو جی سوامی جی کے بہن بھائیوں کی نہایت فاضلانہ تطبیق کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ

"سوامی جی کے بہن بھائیوں کے وشے میں ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ پریم بائی جہانتک ہماری کھوج ہے اون کی بڑی بہن تھی۔ سوامی جی لکھتے ہیں مجھ سے چھوٹی ایک بہن پھر اُس سے چھوٹا ایک بھائی پھر ایک بہن اور ایک بھائی ہوا۔ اسکا یہ بھی ارتھ (معنی اور مُراد) ہو سکتا ہے کہ ایک بھائی اور ایک بہن سوامی جی سے چھوٹے تھے اور ایک بھائی اور ایک بہن سوامی جی سے بڑے" (رپورٹ ص۱۱)

مہاشہ دوستو! آریہ اخبارات کے ایڈیٹرو!! کیا یہ توجیہ یہ تطبیق سوامی جی کے بہن بھائیوں کی صحیح اور درست ہے؟ سوامی جی کے لیکھ (تحریر) کا یہ ارتھ (معنی) ہو سکتا ہے؟ سوامی جی تو چاروں بہن بھائیونکو اپنے سے چھوٹا کہتے ہیں۔ رام دیو جی ایک بہن کو بڑی فرماتے ہیں اور ایک بھائی جسکا نام بلبھ جی ہے اوسے ہم چھوٹا ہی سمجھ لیتے ہیں۔ مگر دوسرا بھائی جسکا اونکی تحقیق میں نام و نشان بھی نہیں وہ کہاں سے بڑا نکل آیا۔ رام دیو جی تو ٹنکارا گاؤں کے گھر گھر سے یہی آواز سُنتے ہیں کہ لڑکے (دیانند) کے پتا کا نام کرسن جی تھا اُس کا بھائی بلبھ جی تھا اس کی ایک بڑی بہن پریم بائی تھی۔ اس کی ایک بہن ہیضہ سے مرگئی تھی" (رپورٹ صفحہ ۷-۸)

مگر اُس تیسرے بڑے یا چھوٹے بھائی کا تو کسی گھر سے بھی نام نہیں

سُنائی دیا پھر کس طرح پروفیسر صاحب نے چار بہن بھائی کے پانچ گنا دیئے؟ سوچو۔ غور کرو۔ یہ اختلاف بیانیاں اور جھوٹی کہانیاں کیونکر قابل پذیرائی ہو سکتی ہیں:۔

پیارے ناظرین! آپ نے آریہ مہاشوں اور اونکے گورو مہاراج کی کہانی خود اونکی اپنی زبانی تو سُن لی اور اس سے تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس اُنیسویں صدی کے خطاب یافتہ مہرشی کی ابتدا ہی کسقدر تاریکی میں پوشیدہ ہے کچھ پتہ نہیں کہ ان کی اصلیت کیا ہے کہاں سے آئے نہ نام کا پتہ نہ گھر گھاٹ کا نشان محض دل بہلانے کے لئے اٹکل سے کہیں مُول شنکر اور کہیں مول جی کہیں دیا رام اور کہیں دیال جی کہیں انبا شنکر کے فرزند اور کہیں کرسن جی لال جی کے بیٹے بتائے جاتے ہیں۔ کبھی موردی اور کبھی ٹنکارا کبھی سجّن پورا ور کبھی منیانا۔ کبھی میگھ پور اور کبھی جیوا پور کے رئیس کہلاتے ہیں۔ غرض کوئی صحیح اور یقینی رائے وثوق کے ساتھ ایسی نہیں ملتی جس کے خلاف کہنا ناممکن ہو۔ اور طرفہ یہ ہے کہ باپ کا بھی کچھ نہ کچھ نام معلوم کر لیتے ہیں ایک آدھ بہن بھائی کا بھی پتہ مل جاتا ہے۔ مگر ماتا (والدہ صاحبہ) کا کچھ بھی کھوج نہیں ملتا۔

سوامی جی کی والدہ کا پتہ

پنڈت لیکھرام صاحب اور بابو دیویندر ناتھ صاحب بنگالی تو ماں کی تلاش ہی نہیں کرتے۔ نا معلوم کیوں۔ مگر پروفیسر رام دیو صاحب والدہ کے بھی پیچھے پڑتے ہیں بہت کوشش کرتے ہیں۔ آخر ناکام رہتے ہوئے اپنی ناکامی کا اسطرح اظہار فرماتے ہیں کہ

"سوامی جی کی ماتا (والدہ) کا نام بہت تین (کوشش) کرنے پر بھی ابھی تک معلوم نہیں ہوا"۔ (رپورٹ صفحہ ۱۱)

لیکن حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ پروفیسر صاحب کو سوامی جی کے سابقہ باپ انبا شنکر نام کے خلاف جدید پتا کرسن جی لال جی کا پتہ لگ جاتا ہے سوامی جی کی ایک بہن کا پریم بائی نام معلوم کر لیتے ہیں۔ پریم بائی کے شوہر منگل جی کا

سُراغ لگا لیتے ہیں۔ پریم بائی کے بھائی بلبہ جی کا نام معلوم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اُن کی بیوہ مونگی بائی سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔ یہانتک کہ سوامی جی کے بھانجے کا بوگا ما ول نام معہ اونکی ساری پشت کے یاد کر لیتے ہیں۔ مگر پتہ نہیں چلتا تو سوامی جی کی ماتا کے نام کا ہی نہیں چلتا۔ اسمیں کیا بھید ہے؟ کیا آریہ مہاشے بتائیں گے کیا وجہ ہے کہ ابراہیم پٹیل سو سال عمر کا شخص زندہ موجود ہے جس کو پروفیسر صاحب ملتے ہیں اور وہ سوامی دیانند کے جدید پتا کرسن جی کا پڑوسی ہے پھر حکو کھتری ۸۵ سالہ سے پروفیسر صاحب تحقیق کرتے ہیں۔ یہ لوگ سوامی جی کی دور کے رشتہ کی چچی جمنا بائی اندہی تک کا نام جانتے ہیں مگر نہیں جانتے تو سوامی جی کی والدہ صاحبہ کا نہیں جانتے۔ کیا یہ حیرت میں ڈالنے والی بات نہیں کہ اگلے پچھلے رشتہ داروں کے نام تک معلوم ہو جائیں مگر نہ معلوم ہو تو سوامی جی کی دیوی ماتا (والدہ) کا نام نہ معلوم ہو۔ مہاشہ دوستو!! کیا یہ پوشیدگی اور والدہ کے نام کا اخفاء بلا سبب ہے؟ ہرگز نہیں! ؎

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

شاید آریہ مؤرخین یہ خیال کرتے ہونگے کہ والدہ کے اخفاء نام کیوجہ کا کسی کو کیا پتہ لگتا ہے۔ کون خرخشہ کرنے لگا۔ کہ وقت صرف کر کے چھان بین کرے۔ اور سوامی جی کی ماتا کا کھوج نکال لے۔ کس نے دیکھنا ہے کہ سوامی جی کی والدہ کون ہے۔ اسلئے یہی کہدو کہ ہمنے تو بہت کوشش کی مگر مہرشی کی ماتا کا پتہ نہیں لگا۔ مگر اُنہیں کیا خبر تھی کہ "دشمنان در کمیں اندو مدعیان گوشہ نشین" مخالف ضرور کھوج نکالکر چھوڑیں گے۔ سو مہاشہ رام دیو جی آیئے ہم آپ کے سوامی مہاراج کی دیوی ماتا کا پتہ بتا دیں۔ سُنیئے آپ کے پنڈت دیو رتن صاحب دیو سماجی کا جو "دیانند چرت" حصّہ اوّل میں بحوالہ پنڈت نانا پرشوتم داس ایک نوٹ درج ہے وہ بتا رہا ہے کہ سوامی جی مہاراج کے والد بزرگوار

"رام پور نامی گاؤں کے رہنے والے ایک معمولی غریب کاشتکار تھے۔

کہ جن کے پاس نہ کوئی سرکار کی طرف سے جاگیر تھی اور نہ انہیں کوئی عُہدہ حاصل تھا اور نہ وہ کوئی صاحب رُتبہ آدمی تھے۔ وہ اپنے گھر میں ایک کاپڑی ذات کی عورت کو کہ جسکا شوہر بھی جیتا تھا ڈال بیٹھے اور اس کے ساتھ خراب تعلق رکھنے کیوجہ سے برادری سے خارج کر دیئے گئے تھے۔ یہ وہ (پنڈت ناناجی پرشوتم جو راجہ موروی کے پروہت اور شاعر اس روایت کے بیان کرنیوالے ہیں) تحقیقی طور سے نہیں بتا سکتے کہ مُول شنکر (دیانندجی) اُس کاپڑی عورت کے بطن سے تھے یا پہلی برہمن ماتا کے پیٹ سے" صہ ۹

کیا یہی وہ وجہ تو نہیں جس کے خوف سے سوامی جی کے ماتا کے واقعات کو پردہ میں رکھنا مناسب سمجھا گیا ہے؟

اگر پنڈت دیورتن صاحب کی یہ روایت غلط ہے تو کیا آریہ صاحبان نے پنڈت ناناجی پرشوتم داس راج کوئی سے جو اس کے اصلی راوی اور بیان کرنے والے ہیں جا کر اس روایت کی تصدیق یا تکذیب کرائی؟ ہمیں جہانتک علم ہے آجتک آریہ سماج کی طرف سے اس روایت کی تغلیط اور تردید نہیں ہوئی۔ اگر نہیں ہوئی تو اب کر دکھائیں۔ ورنہ اخفاء والدہ کی یہ بڑی وجہ موجہ ہے۔ آگے یہی راوی بیان کرتا ہے کہ

"یہ کاپڑی لوگ گانا بجانا سیکھ کر مندروں میں رت جگے اور کیرتن وغیرہ کرنے کا پیشہ کرتے ہیں۔ اور اونکے ہاں نیوگ کی قسم کے رواج بھی پائے جاتے ہیں۔ یعنے اپنے ایک شوہر کے جیتے جی کسی دوسرے شخص کے ہاں عورت کا جا بسنا اور ایک کے بعد دوسرے کے یا دوسرے کے بعد تیسرے کے پاس چلے جانا وغیرہ" (دیانند چرت مؤلفہ دیورتن صہ ۱) اسپر دیورتن صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

"غالباً دیانند صاحب اسی کاپڑی عورت سے پیدا ہوئے تھے کہ جس سے وہ اپنی جائے پیدائش اور والدین کا نام چھپانے کی ساری عمر وہ

کوشش کرتے رہے" (دیانند چرت صفحہ ۱۰)

معزز ناظرین آپ کو سوامی دیانندجی مہاراج کی سکونت اور نام و نشان کے متعلق آریہ اور غیر آریہ تحقیقات کا پتہ لگ چکا ہے کہ کسقدر اختلاف ان کے نام اور ان کے والد کے نام اور جائے پیدائش کے متعلق ہے۔ اس اختلاف کے ہوتے ہوئے ایک محقق ہرگز سوامی جی کے ابتدائی حالات کے لئے یقین کے ساتھ کسی روایت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ تعجب کی بات ہے کہ آریہ صاحبان اربوں کروڑوں سالوں بلکہ ایشوری افعال تک کے حال بتلانے کو مستعد ہیں مگر اپنے گرو مہاراج کا پتا جو کہ ان کے زمانہ میں اسی سرزمین آریہ ورت میں پیدا ہوئے دینے میں ایسے عاجز ہیں کہ اتنا عجز کبھی ایشور (خدا) کے کھوج نکالنے میں اونکو نہیں ہوتا۔ ایک انسان جو ۱۸۲۴ء میں کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں پیدا ہو کر بائیس سال جوانی کی عمر تک پہونچکر گھر سے روپوش ہو جاتا ہے۔ پانچ سال کی عمر سے وہ تعلیم حاصل کرنے لگتا ہے۔ پنڈتوں سے پڑھتا ہے پھر اپنے گاؤں کے قریب تین کوس کے فاصلہ پر جا کر ایک دوسرے پنڈت سے علم حاصل کرتا ہے۔ ایسا دیکھا بھالا ہوا جوان یکلخت تمام کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی دلوں سے حرف غلط کی طرح مٹ کر اسطرح بھول جاتا ہے گویا دُنیا میں آیا ہی نہیں۔ اور ابھی ۱۸۸۸ء کا سال نہیں گزرتا کہ اسکے نام لیوا زمین و آسمان کے پتے دینے والے اُس کے ابتدائی حالات کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ کاٹھیاواڑ کا علاقہ جس کی طرف وہ مہرشی اپنی سکونت کو منسوب کرتا تھا چھان ڈالتے ہیں وہ بدہ پوچھتے پھرتے ہیں۔ اخباروں اور رسالوں میں کھوج لگانے کیواسطے اشتہار اور نوٹس دیتے ہیں مگر واسئے ناکامی کہ صرف ۴۴ سال کے اندر اندر ہی وہ ایسا مادر پدر آزاد ہو جاتا ہے۔ کہ کوئی صحیح پتا اوسکے خاندان کا باپ گھر کا نہیں دیتا۔

سوامی جی خود کیوں چھپتے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ یہ مہاپرش (کامل انسان) کہلانیوالا خود کیوں اپنا آپ اسقدر چھپاتا ہے۔

کہ باوجود لوگوں کے بار بار دریافت کرنیکے بھی کچھ نہیں بتاتا؟ ہمارے اس سوال کے دو جواب ہمکو ملتے ہیں۔ ایک تو وہ خود خطابی مہرشی دیتا ہے اور دوسرا جواب اوسکے معتقدین سے ملتا ہے۔ ہم ان دونوں جوابوں کو ناظرین کے سامنے پیشکر کے ان پر معقولیت سے غور کرتے ہیں۔ کہ آیا یہہ دونوں وجوہات واقعی ایسی ہیں۔ جنکے باعث سوامی جی کو لازمی طور پر اپنے حالات کو لوگوں سے مخفی اور پوشیدہ رکھنا نہایت ضروری تھا؟ اگر ان میں ذرا بھی صداقت نہ ہو تو ہر شخص یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ بباعث کسی خاص نقص اور کمزوری کے سوامی جی نے اپنی پردہ دری کے خوف سے اپنے آپ کو پبلک سے چھپائے رکھا تھا۔ اب ہم ذیل میں ان دونوں معذوریوں کو جن کیوجہ سے سوامی جی چُھپتے رہے نقل کرتے ہیں۔

نام ونشان چھپانیکی وجہ اوّل سوامی جی مہاراج اپنی خودنوشت سوانحعمری میں اپنا اور اپنے خاندان کا پتا و نام نہ بتانے کی یہہ حجت پیش کرتے ہیں۔

"وہ پہلے دن سے ہی جو مینے لوگونکو اپنے باپ کا نام اور اپنے خاندان کے مسکن کا پتا بتانے سے عُذر کیا ہے اسکا باعث یہی ہے کہ میرا فرض مجھکو اسبات کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اگر میرا کوئی رشتہ دار اس میرے حال سے آگاہی پالیتا تو وہ ضرور میری تلاش کرنیکی کوشش کرتا اور اس طرح اون سے دوچار ہونے پر میرا اونکے ساتھ گھر جانا لازم آجاتا۔ گویا کہ ایک دفعہ پھر مجھ کو روپیہ یا زر ہاتھ میں لینا پڑتا۔ یعنی دُنیا دار ہی ہوجاتا اُن کی خدمت اور ٹہل بھی بہرحال میرے پر واجب ہوجاتی۔ اور اس طرح اُنکی موہ (محبت) میں پڑکر اصلاح کامل کا اُتم کام جس کیواسطے مینے اپنی زندگی کو ارپن (وقف) کیا ہے اور جو میرا اصلی مشن ہے یعنی دیش کا سُدھار اور دھرم کا پرچار وہ ویسی بدستور اندھیرے میں پڑا رہ جاتا" ص ۱۲

یہہ ہے وہ پہلا جواب جسمیں سوامی جی نے اپنے چھپے رہنے کا راز انکشاف فرمایا ہے۔ اسی لئے ہم پہلے اسی بیان کی پڑتال کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ کیا یہہ وجہ واقعی نام ونشان کے مخفی رکھنے کی ہوسکتی ہے؟ اسکے متعلق ہم چند امور تنقیح قائم کرتے ہیں۔ جن کے ثبوت پر اسوجہ کی معقولیت یا نامعقولیت کا فیصلہ ہوجائیگا۔

وہ امورات تنقیح یہہ ہیں :۔

(۱) کیا گھر سے بھاگتے وقت سوامی جی نے اپنا مشن دیش کا سُدھار اور دھرم کا پرچار قرار دے لیا تھا۔ اور اس عظیم الشان کام کے لئے زندگی وقف کرکے بھاگے تھے۔ (۲) کیا کسی مصلح مُلک اور ریفارمر کو دُنیاوی رشتہ داریاں اصلاح کے کام سے روک سکتی ہیں؟ (۳) کیا سوامی جی نے گھر سے بھاگنے کے بعد روپیہ پیسہ کو ہاتھ میں لینا چھوڑ دیا تھا؟

تنقیح اوّل کا فیصلہ سوامی جی نے اپنے حالات مخفی رکھنے کی یہ وجہ بتلائی ہے کہ "اگر میں اپنا نام و پتا بتا دیتا تو میرے رشتہ دار میری تلاش کرکے مجھے واپس لے جاتے جس سے میرا مشن اصلاح قوم کا پڑا رہ جاتا۔ اسلئے پہلے دن سے ہی مینے اسکو چھپا رکھا ہے"۔

ایسی ستگیانی (راست گو) مہرشی عمداً لوگوں کو مغالطہ دیکر اپنی کمزوری پر پردہ ڈال رہا ہے کہ گویا پہلے دن سے جس خیال اصلاح قوم کو وہ لیکر بھاگا تھا۔ وہ فرض اُسکا اوسکو نام ونشان بتانے کی اجازت نہیں دیتا۔ حالانکہ یہ سراسر غلط بے سند تو سوامی جی پہلے سے اپنا یہہ مشن قرار دیکر گھر سے بھاگے تھے اور نہ اُنہوں نے آج کے دن سے پہلے اس وجہ موجہ کا کسی سے اظہار کیا تھا۔ یہ عُذر خام تو سوامی جی نے اپنے قوت بازو کرنل الکاٹ صاحب امریکن رشی کی درخواست پر ۱۸۸۰ء میں بنایا ہے اور وہ ۱۸۴۶ء میں گھر سے بھاگے تھے۔ چنانچہ لیکھرام صاحب اپنی مرتبہ سوانحعمری دیانند میں لکھتے ہیں کو سوامی جی نے کرنل الکاٹ کے اصرار کرنے پر اپنی سوانحعمری

لکھی تھی۔ جو رسالہ تھیوسوفسٹ ماہ نومبر و دسمبر ۱۸۸۰ء میں طبع ہوئی ص۲ اس سوانحعمری میں سوامی جی نے اس عُذر گمنامی کو بیان کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ۱۸۸۰ء میں آپ نے یہہ عُذر تراشا ہے کہ پہلے دن سے ہی مینے اپنے دلی مقصد اصلاح قوم اور دھرم پرچار کے کام میں لگا رہنے کیوجہ سے اپنا نام و پتا ظاہر نہیں کیا تا کہیں مجھے میرے رشتہ دار پکڑ کر نہ لے جائیں۔ اور میں اس عظیم الشان کام کو چھوڑ بیٹھوں۔ اب ہم یہہ دیکھتے ہیں کہ سوامی جی گھر سے بھاگتے وقت کونسا مشن دل میں لیکر نکلے تھے۔ آیا دیش کا سُدھار اور دھرم پرچار کا یا کوئی ذاتی اور وہمی خیال؟ اسکے لئے بھی ہم پہلے آریہ مورخین اور خود سوامی جی کو ہی گواہی میں پیش کرتے ہیں۔

بھاگتے وقت کا خیال

سوامی جی اپنی خود نوشت سوانحعمری میں اپنے اُس مشن کا جسکو وہ دل میں رکھ کر بھاگے تھے اُن الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں کہ (۱) "میری ۱۶ برس کی اوستھا (عمر) کے بعد جو میری ۱۴ برس کی بہن تھی اوسکو ہیضہ ہوا۔ چار گھنٹہ میں اسکا شریر چھوٹ گیا۔ (مر گئی) مینے یہی پہلی بار انسان کو مرتے دیکھا تھا۔ اس سے مجھے بہت ڈر لگا تھا اور سوچنے لگا کہ ایسے ہی میں بھی مر جاؤں گا۔ سوچ میں پڑ گیا کہ اس سے کچھ ایسے اُپائے (تدبیر) کرنا چاہیئے کہ جس سے جنم مرن روپی دُکھ (مرنیکی مصیبت) سے یہ جیو (روح) چھوٹے اور مکت (نجات) ہو۔"

"آرتھات اس سمے (یعنی اُسوقت سے) میرے چت (دل) میں ویراگ کی جڑ جم گئی" ص۲ (۲) "جب میری اوستھا (عمر) ۱۹ برس کی ہوئی تب جو میرے بڑے سدھرماتما چچا تھے اُن کو ہیضہ نے آگھیرا مرتے وقت انھوں نے مجھے پاس بُلایا اُس سے مجھے پرتیت (خیال) ہوا کہ میں بھی چچا جی کے سدرش (طرح) ایک دن مرنے والا ہوں۔ یہہ بات ماتا پتا جی سے تو نہیں کہی مگر ودوان (عالم) پنڈتوں کو پوچھنے لگا کہ اَمر ہونے کا کوئی اُپاؤ (موت سے بچنے کا کوئی علاج) مجھے بتاؤ۔ اُنھوں نے یوگ ابھیاس کرنیکے لئے کہا۔ تب میرے جی میں آیا کہ اب گھر چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں" ص۳

پیارے ناظرین! یہ ہے سوامی جی کا وہ مشن جسکو وہ اپنے دل میں رکھتے ہوئے گھر سے بھاگنے کی راہیں دیکھ رہے ہیں۔ سوامی جی کو نہ تو اصلاح دیش کا خیال آیا نہ دھرم پرچار کا بیڑا اوٹھایا صرف دو ہیضہ کی موتوں سے خوف زدہ ہو کر نادان لڑکا ایک بیہودہ اور باطل خیال موت سے چھٹکارا پا کر ہمیشہ زندہ رہنے کا دل میں کر بیٹھا ہے۔ اور وقیانوسی پنڈتوں کا بتایا ہوا علاج کہ بیراگی ہو جاؤ۔ جوگی بنجاؤ تو موت سے نجات مل جائیگی سُنکر اپنی بے علمی سے بیراگ اور یوگ حاصل کرنے کے لئے موقعہ کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ یہ نہیں سمجھا کہ جن جاہلوں نے مجھے ہمیشہ زندہ رہنے اور موت سے بچنے کا یہ نسخہ بتایا ہے۔ کیا وہ اپنے لئے مرجانا پسند کرتے ہیں۔ جو وہ خود اس نسخہ پر عمل نہیں کرتے نہ کوئی نظیر اسکو موت سے خلاصی یافتہ کی بجز موت کے پنجہ میں پھنسے ہوؤں کے بتائی جاتی یا دکھائی دیتی ہے۔ لیکن مول جی عرف دیارام جی ایک دیہاتی لڑکا ہے یقین کر بیٹھا کہ بھاگ کر موت سے بچ جاؤں گا۔ مگر موت نے اُسکو آخر کار ایسی طرح دبوچا کہ بہن اور چچا کو تو گھنٹوں میں زندگی سے نجات دیدی تھی۔ اس شائق حیات کو مہینوں میں رگڑ رگڑ کر موت نے مزہ چکھایا۔

جگدمبا پرشاد لکھنوی

اسجگہ میں دہلی کے آریہ مسافر اور مہاتما پارٹی کی پرکاش اور کلچرڈ پارٹی کے آریہ گزٹ کے علاوہ اپنے جدید مخاطب بابو جگدمبا پرشاد لکھنوی سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارا خطائی مہرشی بیچارہ موت کی بھیانک صورت کو دیکھ کر مرنے کے خوف سے مارا مارا جنگلوں بیابانوں کی خاک کو چھانتا اور دریاؤں ندیوں میں ڈوبتا اور برفانی پہاڑوں میں لُڑھکتا پھرتا رہا یا دیش کے سُدھار اور دھرم پرچار کے شوق میں؟ اگر واقعات کچھ چیز ہیں اور اُن سے صحیح نتائج نکالنے کا علمی دستور ہے تو بتاؤ گھر سے بھاگنے کیوقت سوائے موت کے ڈر کے دجو دیانند کا ذاتی خیال اور نفسانی خواہش تھی) کب اُسنے دھرم پرچار اور دیش سُدھار کا ارادہ کیا تھا۔ دیکھو سوامی بقول خود مول جی سے

شدہ چیتن بنکر کوہٹہ کا مگراہ سے سدہ پور کے میلہ پر بھی یہی خواہش لیکر پدھارتے ہیں۔ کہ
"وہاں کوئی تو یوگی اپنے کو ملے گا اور امر ہونے کا (موت سے بچنے) کا مارگ (علاج)۔
بتاویگا۔ اس آشا میں میں نے سدہ پور کی راہ لی" صلہ کون ہے جو یہ کہے کہ دیانند صاحب نے
اسلئے اپنا نام ونشان مخفی رکھا تھا کہ کہیں رشتہ دار پکڑ کر گھر لے جاویں۔ تو اُسکا وہ مشن
جس کو پہلے دن سے اوسنے اپنا مقصد دھرم پرچار کا قرار دیا تھا۔ نامکمل رہ کر چھوٹ جائیگا
کیا سوامی جی نے جان بوجھ کر یہ فریب نہیں کیا۔ کیا عمداً لوگوں کو دھوکا نہیں دیا؟

دیانند جی کا کوئی مشن نہ تھا

آؤ یہ سنو اکر سوامی جی نے کب دھرم پرچار او دیش سُدھار کا پرن کیا ہے۔ سنہ ۱۸۸۲ء میں بھاگنے
سے ۱۶ سال بعد ایک سورداس برجانند سے متھرا میں تعلیم پاکر جب فارغ التحصیل ہوکر
چلنے لگے تو اسوقت تک اونکا اپنا کوئی مشن نہ تھا۔ دیکھو "جیون چرتر دیانند مرتبہ لیکھرام"
جمیں لکھا ہے کہ دیانند جی نے تعلیم سے فارغ ہوکر آدھ سیر لونگ جو ڈنڈی جی (برجانند)
کو بہت پیارے تھے۔ انکی بھینٹ (نذر) کی اور رُخصت ہونیکی اجازت مانگی" صـ۲۸
چلنے کے وقت تک دیکھ لو دیانند جی مہاراج کا کوئی خاص مشن دھرم پرچار وغیرہ کا نہیں ہے؛
لیکن جونہی چلنے کی اجازت چاہی تو اونکے نابینا گورو برجانند نے نہایت خوش ہوکر
علم پڑھا دینے کی دکھشنا مانگی۔ دیانند نے کہا کہ جو آپ حکم دیں میں حاضر ہوں اسپر
برجانند جی نے فرمایا کہ دیش کا اُپکار کرو (مُلک کا بھلا کرو) ست شاستروں کا اودھار
کرو مت متانتروں کی اوِدیا کو مٹاؤ اور ویدک دھرم پھیلاؤ۔ (دیانند) نے بڑے
عذر و معذرت کے بعد قبول کیا۔ اور وداع ہوئے۔ صـ۲۸ اور یہ مشن بھی سوامی جی
کا اپنا نہیں بلکہ ان کے گورو نابینا کا ہے۔ جیسا کہ "سوامی دیانند اور انکی تعلیم" کا مصنف
مہتہ رادھا کشن آریہ اس کتاب کے صـ۲۶ پر لکھتا ہے کہ
"سوامی برجانند ساری عمر پڑھاتے رہے لیکن اونکے حسب منشاء آپ کا صرف
ایک شاگرد آپ کے مشن کو پورا کرنے کے لئے نکلا اور اسکے (یعنی برجانند)
کے مشن کو پورا کرکے اپنے گورو کے نام کو زندہ رکھا (سوامی دیانند اور اس کی تعلیم مطبوعہ

باردوم سنہ ۱۹۱۵ء)
اب مطلع صاف ہوگیا ہے اور آریہ مؤرخین کی گواہی اور خود سوامی جی کی شہادت
سے ثابت ہے کہ سوامی جی کا اپنا کوئی بھی مشن نہ تھا۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کیا
آریہ مہاشے نہیں مانیں گے کہ سنہ ۱۸۸۰ء میں جو وجہ سوامی جی نے اپنے نام ونشان مخفی رکھنے
کی بتائی تھی وہ بالکل غلط تھی۔ البتہ گھر سے نکلتے ہی اگر وہ اس وجہ کا کسی جگہ اقرار کرتے اور اپنے
سفر سے بھی عملی طور پر دکھا دیتے کہ وہ دیش کی سُدھار کے لئے اور دھرم پرچار کی خاطر
بھاگے ہیں تو شاید یہ وجہ کوئی معقول مانی جا سکتی تھی۔ مگر ۱۶ سال تک کی متواتر پردہ پوشی
ہرگز ثابت نہیں ہونے دیتی کہ پہلے دن سے وہ اس دھرم پرچار کے کام بند ہو جانے
کے خوف سے اپنے ماتا پتا گھربار کا پتہ نہ دیتے تھے۔ لہذا تنقیح اوّل کا فیصلہ سوامی جی
کے خلاف کرنے پر ہم مجبور ہیں۔

سوامی جی کی پہیلی

اسکے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسی بیان سے آگے سوامی جی سب کچھ بتا دیتے ہیں۔ اور کھُلے لفظوں میں گجرات دیش کی سرحد
پر مچھو کانٹھا ندی کے کنارے موروی شہر میں اپنا جنم ہونا اور اودیچ برہمن قوم
ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور آگے چلکر اپنے گھر میں ساہوکاری کا پیشہ اور پشتینی جمعداری
کا عہدہ برابر چلے آنا لکھتے ہیں۔ پس اسقدر تا پتہ بتا دینے سے ہی سوامی جی کی جوابدہی
غلط ہو جاتی ہے کیونکہ جو شخص اپنا مقام پیدائش اپنا مسکن اپنا خاندانی عہدہ اپنی قوم
پہیلی کی طرح سُنا دیتا ہے تو اسکے بعد صرف اوسکا نام اور ولدیت کا معلوم ہونا ہی
باقی رہ جاتا ہے۔ جو اتنا پتہ معلوم ہو جانے پر (اگر یہ درست بیان کیا ہوتا) تو کیا سوامی
جی کا نام معلوم کرنیوالے شائقین اُن کا نام معلوم نہ کر سکتے تھے۔ اور اگر اونکے رشتہ دار ونکو
تلاش کرنی منظور ہوتی تو کیا وہ اس گم شدہ فرزند کو ڈھونڈ نہیں سکتے تھے؟ ایسے مصلحت
اندیش سنیاسی کو تو اتنا پتہ بتلانا بھی مناسب نہ تھا۔ جبکہ پہلے دن سے ہی اُسکا فرض
اس اظہار کی اُسکو اجازت نہ دیتا تھا۔ تو آج اس فرض کو کیوں ترک کر دیا گیا؟ اسلئے
تو نہیں کہ اوسنے یہ جو کچھ بتایا ہے۔ بالکل دھوکا اور فریب ہے۔ جو ان لوگوں کو دیا گیا ہے

بار بار یہ پوچھتے تھے کہ "آپ برہمن ہیں۔ ہم کیسے جانیں آپ اپنے کسی بھائی برادر کے پتر (خط) منگا دیویں۔ یا کسی کی پہچان بتا دیں۔ ایسا کہتے ہیں اسلئے حال بیان کرتا ہوں" (خود نوشت سوانحعمری صک) اگر یہ کتھن (بیان) سوامی جی کا سچ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اسقدر قریب زمانہ میں اس مفرور فرزند کا نام اور ولدیت اور سکونت باوجود انتہائی کوششوں کے آریہ پرشوں کو معلوم نہ ہوتی۔

رشتہ دارونکی تلاش کا خوف

یہ عذر لنگ تو بالکل ہی بے بنیاد ہے کہ سوامی جی رشتہ داروں کے خوف سے اپنا نام ونشان نہ بتاتے تھے کہ کہیں وہ سُنکر تلاش نہ کرنے لگ جاویں۔ ایک طرف تو سوامی جی اپنے والد ماجد کو پشتینی عُہدہ جمعداری پر تعینات فرماتے ہوئے اس عہدہ کو گورنمنٹ کی تحصیلداری کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ (جو یہ بھی پروفیسر رام دیو کی تحقیقات سے جھوٹ ثابت ہوگا۔ کیونکہ رام دیو صاحب نے اپنی تمام رپورٹ میں اس تحصیلداری کے برابر والی جمعداری کا کہیں نام تک نہیں لیا اور لیتے کہاں سے جسکا وجود ہی نہ تھا اُسکا ذکر کہاں) اور اُن کے پاس سپاہیوں کی ایک گارد بھی ہر وقت حاضر رہتی تھی۔ اتنا بڑا آدمی اور اوسکا بیٹا بھاگ جائے اور وہ اسقدر غافل رہے یا اپنے ہونہار لختِ جگر کو ایسا فراموش کر دے کہ نہ کسی اخبار میں نہ رسالہ میں کوئی نوٹس چھپوائے نہ خود تلاش میں مصروف رہے۔ نہ ملازموں کو حکم دے کہ کہیں ڈھونڈ بھال کریں۔ یہ بات قیاس سے بالکل دُور معلوم ہوتی ہے۔ مگر سب سے بڑھ کر خود سوامی جی کے بیان سے بھی تلاش رشتہ داروں کے خوف کا حیلہ بناوٹی ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سوامی جی لکھتے ہیں کہ "ایک دفعہ پریاگ (گنگا کے تیرتھ) میں میرے گاؤں کے کچھ لوگ مجھے ملے تھے۔ لیکن مینے پہچان نہیں دی۔ اسکے بعد آجتک کسی سے مُلاقات نہیں ہوئی" ملا

اس وبنیرٹ کا مفصل حال ۱۹۲۲ء کی رپورٹ میں پروفیسر رام دیو صاحب اسطرح رقم فرماتے ہیں۔

"دیوا شنکر برہمچاری کی دادی کیسرا بائی تیرتھ کرنے (گنگا) گئی تھی اور وہاں

اوسنے سوامی دیانند کو دیکھا تھا اور پہچان لیا تھا اور گھر میں آکر بتلایا تھا کہ مول جی۔ دیانند سرسوتی بن گیا ہے۔ اور مورتی کا بڑا کھنڈن (ردّ) کرتا ہے" (رپورٹ مذکور ص۹)۔

یہ لکھ کر پروفیسر صاحب سوامی جی کے اس بیان کی کہ "مینے پہچان نہیں دی" یہ توجیہ کرتے ہیں۔ کہ "ایسا پرتیت (معلوم) ہوتا ہے کہ جہاں رشی نے کیسرا بائی کو پہچانا وہاں کیسرا بائی نے رشی (دیانند) کو پہچان لیا تھا۔ لیکن وہ یہ سمجھتے رہے کہ انھوں نے ایک دوسرے کو پہچان نہیں دی" (رپورٹ ص۱)

لیجئے صاحبان! سوامی جی کے گھر والونکو تو کیسرا بائی نے مول جی (دیانند) کی بھاگنے سے کچھ عرصہ بعد ہی آکر پتا دیدیا کہ مول جی دیانند سرسوتی بن گیا ہے اور مورتی (بُت پرستی) کا ردّ کرتا ہے۔ اب تلاش کرنیوالے رشتہ داروں کے لئے تو اس سے زیادہ دریافت کی ضرورت نہ تھی۔ جبکہ خود ٹنکارا کی رہنے والی نے ہی آنکھوں دیکھ کر اُس کا پتا لگا دیا ہے۔ کیا کیسرا بائی اور اسکے دیگر ہمراہی بھی جو دیکھ کر آئے تھے تلاش کرنیوالونکی رہنمائی کے واسطے کافی نہ تھے۔!

اور لو! اسکے بعد ۱۸۷۶ء میں سوامی جی کو دہلی دربار پر ایسے لوگ اون کے ہموطن ملے جنھوں نے اونکو خوب پہچان لیا جیسا کہ لیکھرام صاحب اپنی مرتبہ سوانحعمری کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ

"۱۸۷۶ء کے اخیر میں بمقام دہلی جو قیصری دربار ہوا تھا اُسمیں سوامی جی کی ڈیرہ پر چند کاٹھیاواڑ کے رؤسا بھی تشریف لائے تھے اُنھوں نے سوامی جی کو مُول شنکر کے نام سے پُکارا تھا جنہیں سوامی جی نے جُدا لیجاکر منع کر دیا۔" ص۳ دیباچہ لیکھرام۔

بتاؤ آریہ سجنو! اب بھی کچھ کسر رہ گئی ہے کہ سوامی جی کے رشتہ دارونکو ان کا پتا نہ ملا ہو؟ اگر سوامی جی بقول رام دیو صاحب ٹنکارا کے رہنے والے تھے۔ اور کیسرا بائی بھی ٹنکارا کی تھی تو کرسن جی لال جی سوامی جی کے جدید ۱۹۲۲ء والے باپ

اور دیگر رشتہ دارونکو ضرور مول جی کا پتا لگ گیا ہے مگر اسپر بھی رشتہ داروںکی بیلا پروائی
کہ اُجتک کسی نے اتنا بھی نہ کہا کہ وہ ہمارا پڑوسی ہے۔ نہایت قابل غور امر ہے۔ کیا
اب بھی ہمکو جائز طور پر یہہ استحقاق نہیں کہ ہم سوامی جی کے اتے پتے کی بابت کہدیں
کہ اُنھوں نے دانستہ جھوٹ بولا اور اصل واقعات کو چھپایا اور لوگونکو دہوکہ دیا۔ اس
کے بعد ہم دوسرا جواب اس اخفاء نام ونشان کا جو آریہ صاحبان کی طرف سے دیا
جاتا ہے بیان کرکے اسپر نظر کرتے ہیں

نام ونشان چھپانیکی وجہ دوم

سوامی جی کے پیشکردہ جواب کے بالکل خلاف آریہ پرش نام ونشان مخفی رکھنے کی جو وجہ
بیان کرتے ہیں وہ مدعی سست اور گواہ چست والی مثل کے مصداق ہے۔ اور یہ وجہ
سوامی جی کی تکذیب اور خلاف بیانی کا مزید ثبوت ہے۔ چنانچہ پنڈت لیکھرام
صاحب سوانحعمری کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ

(۱) "مہاتما سنیاسی لوگ اسبات (یعنی اپنے نام ونشان کا پتا بتلانے)
کو بلحاظ آشرم (منزل سلوک) بدل جانیکے پسند نہیں کرتے"۔ (۲) "سنیاسی
لوگ اپنے دیش اور جنم کو اکثر ظاہر نہیں کرتے"۔ (۳) جن جن مذہبی ہادیوں نے
اپنے رشتہ داروںکے نام بتلائے یا اُن سے بظاہر لاتعلق ہو کر بھی تعلق رکھا
تو اُس مذہب میں انسان پرستی یا گور پرستی کا مشرکانہ رواج قائم ہو گیا سوامی
جی نے ان سب کفر آمیز حالات کو آنکھوں سے دیکھا اور اکثر پیشوایان دین
کی سوانحعمری پڑھکر اور اپنے تجربہ سے خوب سوچ بچار کر یہی مناسب سمجھا
کہ انسان پرستی اور گور پرستی اور مکان پرستی کی گھنونی تعلیم کو پیروان ویدک
دہرم سے قطعی اُڑا دیا جاوے۔ اسواسطے انہوں نے اپنا اور اپنے والدین
کا نام ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا" صفحہ ۱ و ۲۔

کسقدر لغو اور بیہودہ عذر بناکر اپنے مہرشی کی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔ اس ساری
وجہ غیر موجہ کا پہلا جواب ہماری طرف سے یہی ہے کہ لیکھرام جی کا یہ بیان دیانند جی

کے بیان کو ایسا جھٹلا رہا ہے کہ جس سے ایک نابینا بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس بیان
کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ مذہبًا سنیاسیونکو اپنا نام ونشان چھپانا ضروری ہوتا ہے۔ اور سوامی
جی بھی چونکہ سنیاسی تھے اسلئے اونکو بھی ایسا کرنا واجب تھا مگر سنیاسی جی فرماتے
ہیں کہ میںنے مذہبی طور پر نہیں بلکہ اس مصلحت سے کہ کہیں میرے رشتہ دار پتا لگ جانے
پر مجھے پکڑ کر نہ لے جاویں اپنا نام ونشان ظاہر نہیں کیا۔ لیکھرام صاحب یہہ کہتے ہیں
کہ سوامی جی نے ایسے پیشواؤں کی سوانح پڑھکر اور اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے یہہ سوچ
سمجھ کر کہ نام ونشان بتانے سے کہیں کفر اور شرک اور انسان پرستی کا رواج ویدک دہرم
کے پیروؤں میں نہ ہو جائے اپنا نام و پتا ظاہر نہیں کیا۔ اور سوامی جی کہتے ہیں کہ دہرم
کا پرچار اور دیش کا سُدھار جو میرا مشن اور مقصد ہے وہ نام بتانے سے برباد ہو جائیگا
کہ میرے رشتہ دار مجھے لے جائیں گے۔ اگر لیکھرامی وجوہات درست نہیں تو کیوں کاٹھیا
واڑی سنیاسی نے اس قدر جھوٹ بناکر حیلہ بازی کی صاف طور پر کہدیتا کہ سنیاسیوں
کو مذہب اجازت نہیں دیتا کہ آشرم کے بدل جانے پہ اپنا نام ونشان وغیرہ بتائیں
اور اسپر دو تین پرمان (حوالہ) بھی اِدھر اُدھر سے گھڑ کر سُنا دیئے ہوتے۔ مگر ایسا نہیں
کیا۔ کیوں نہیں کیا؟ اسلئے کہ یہ کوئی مذہبی ہدایت یا لازمی امر نہ تھا۔ لوگ اسکی فورًا
تردید کرکے ہزاروں پیشواؤں اور سنیاسیوں اور دھرماتما پُرشوں کے نام بتا دیتے۔
جنھوں نے اپنے نام ونشان ظاہر کر دیئے ہوئے تھے۔ اور ان کے بعد کوئی کفر انسان پرستی
کا جاری نہیں ہوا۔ سوامی جی نے وہ بات بنائی جو بظاہر دل لگتی ہو گو فی الواقع غلط
اور مصنوعی ملمع سازی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خود آریہ صاحبونکو سوامی جی کی پیشکردہ وجہ
کی نامعقولیت نے اس دوسری حماقت کے پیشکرنے پر مجبور کیا ورنہ جو اونکا سوامی
لکھ گیا تھا اوسکے خلاف دوسری یا تیسری بات بنانے کی سوانح نویسوں اور دیگر
آریوں کو ضرورت کیا تھی۔ پس لیکھرامی بیان تو قطعًا قابل سماعت بھی نہیں چہ جائیکہ
اسکا رد کیا جائے۔ اسکی تردید دیانندجی کا زبانی فرمان ہی کافی سے زیادہ کر رہا ہے اور
لیکھرام صاحب کا یہہ بیان کس قدر خلاف واقعہ ہے۔ کہ سوامی جی نے اکثر پیشوایان دین

کی سوانحمریاں پڑھ کرہی مناسب سمجھا کہ انسان پرستی اور گور پرستی اور مکان پرستی کی گھنونی تعلیم کو پیروان ویدک دھرم سے قطعی اُڑا دیا جائے" بھلا اس بھلے مانس سے کوئی پوچھے کہ دیانند جی مہاراج کو بجز سنسکرت زبان کے اور کسی زبان سے مَس بھی نہ تھا۔ وہ سوانحمریاں سنسکرت میں کون سے دیگر مذاہب کی پیشوایاں کی تصنیف شدہ تھیں جنہیں سے اکثر کو آپ نے پڑھا تھا؟ یہہ بالکل فضول گوئی اور ژٹل ہے بنام واقعہ۔

تنقیح دوم کا فیصلہ

دوسرا امر تنقیح یہہ ہے کہ کیا کسی مصلح قوم اور ریفارمر دھرماتما کو دنیاوی رشتہ داریاں اصلاح کے کام سے روک سکتی ہیں۔ اس کے متعلق یہہ کہدینا کافی ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ پر سچا اور صادق یقین کرکے دھرم کا پرچار کرنے لگتا ہے۔ وہ پرم آتما سرب شکتی مان قادر توانا ہستی اوسکی خود مددگار ہوکر ہر طرحسے اُسکو بیخوف کر دیتی ہے۔ خدا کے مقرر کردہ دھرم کو پھیلانے والے ایک منٹ کے لئے بھی کسی قوم یا برادری یا رشتہ داری سے نہیں ڈرا کرتے اونکو کوئی دنیا کی طاقت اس عظیم الشان کام سے نہیں روک سکتی۔ آریہ سماجیں غور کریں اور اپنے مہرشی کی کمزوری کو محسوس کریں کہ کیا ایک ہادی اور مہاپرش کو رشتہ داری کے تعلقات سدِ راہ ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! مہرشی کے لئے اسقدر غیر مستقل ہونا اور ایسے احتمالات سے خوف زدہ رہنا ایک ایسا بدنما داغ ہے جو دھونے سے نہیں چھوٹ سکتا۔

مہاتما بُدھ

دیکھو مہاتما بُدھ اپنی ترک دُنیا کے خیال میں کسقدر مضبوط تھا اس نے شریمتی گوپا دیوی جیسی بی بی اور پیارے نونہال فرزند اور باصولت وشوکت باپ سے کیسے بہادرانہ طرز میں جدائی اختیار کی۔ کیا راجہ شودہن کی سلطنت وحکومت کے مقابلہ میں سوامی جی کی خاندانی جمعداری (جسکا کوئی وجود ہی نہیں) کچھ وقعت رکھتی ہے۔ لیکن شاکیہ خاندان کے شاہزادے نے کمال صبر واستقلال سے دُنیا کو ترک کیا اور اسکے زبردست یقین کے سیلاب کو رشتہ داری کے خس وخاشاک نہ روک سکے۔ دولت وسلطنت وحکومت کے لالچ کو اس نے شکست دی۔ کوئی روک اسکے ارادے پر غالب نہ آئی۔ مگر تمہارا مہرشی بہانہ کرتا ہے کہ مجھے کہیں رشتہ دار آکر نہ پکڑ لیں۔ اور اس خوف سے ہردن نیا رنگ بدل بدل کر اپنے آپ کو چھپانا چاہتا ہے۔

گورو نانک رحمۃ

اور سنو! گورو نانک رحمۃ اللہ علیہ کے جوشِ عرفان کو حتّٰی کہ لوائی جی انکے پدر بزرگوار کی صحبت نہ روک سکی۔ اور گورو نانک دیو مہاراج کا استقلال کسی دُنیاوی احتمال سے مغلوب نہ ہوا لیکن آہ وہ گمنام ونشان انسان جس کو مہارشی کرکے اوس کی قوم پُکارتی ہے۔ اپنا نام ونشان بتلانے میں متامل ہے۔ اور اوسے کھٹکا ہے کہ رشتہ داری کا تعلق اسکے مصنوعی اور فرضی مشن کو فناہ کردے گا۔ کھٹکا ہی نہیں وہ یقین کے ساتھ سمجھ رہا ہے کہ لازمی طور پر رشتہ دار مجھ کو صراط مستقیم سے بھٹکا کر واپس لے جاویں گے۔ دیکھو کسقدر زمین وآسمان کا فرق ہے۔ حقیقی ہادیوں اور جعلی مہاپُرشوں میں:۔

تنقیح سوم کا فیصلہ

اب تیسری تنقیح کو دیکھئے۔ کہ آیا سوامی جی مہاراج نے گھر سے بھاگنے کے بعد روپیہ پیسہ کو لینا چھوڑ دیا تھا؟ اس کے لئے اسیقدر بتا دینا کافی ہے کہ سوامی جی نے گھر سے بھاگنے کے بعد ہی نہیں کہ روپیہ کو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ اپنے دعویٰ کے خلاف اور دھرم شاستر کے وروّدہ (مخالف) سنیاسی بنکر بھی آپنے کافی روپیہ حاصل کیا۔ اور دنرات نقدی کی بھینٹ (نذر) آپ کو ملتی رہی اور اچھی طرح از سُرخ وسپید سے سوامی جی کھیلتے رہے چنانچہ موضع ڈامُرون کے وکیل ہربنس رائے نے سوامی جی کو کلکتہ جاتے ہوئے سو روپیہ دیا اور آپ نے بخوشی لے لیا۔ دیکھو جیون چرتر کلاں صفحہ ۱۸۳) پھر پٹنہ میں رسوئی بنانے والے برہمچاری کو چوری کے جُرم میں ملازمت سے برخاست کرکے نکالدیا اور جاتے کو اپنے منی بیگ سے پانچ روپیہ نقد عطا کئے۔ مگر روپیہ کو آجتک ہاتھ ہی نہیں لگایا۔ (دیکھو جیون چرتر مذکور صفحہ ۱۸۶)

بھرموںگھیر سے چلتے وقت ایک شخص نے پانچ روپیہ نذرانہ دیا۔ جو سوامی جی نے لیا۔ (صفحہ ۱۹۰) بھر بھاگلپور کے مارواڑیوں سے نقد روپیہ اور دیگر چیزیں مہاراج وصول کرتے رہے (صفحہ ۱۹۱) یہاں تک کہ سوامی جی صاحب اب لباس فاخرہ پہننے اور فسٹ کلاس میں سوار ہوکر سفر کرنے اور چاندی کی کرسیوں پر براجمان ہونے لگے۔ (صفحہ ۲۰۵) تین چار ملازم بھی کھانا پکانے اور دیگر خدمات کے لئے رکھ لئے گئے۔ اب اگر روپیہ پیسہ نہ تھا۔ اور اس کو ہاتھ نہ لگاتے تھے تو یہ عیش و بہار سنیاس آشرم میں داخل ہوکر بھی کرنا کس طرح روا ہوگیا تھا۔ غرضیکہ یہ بالکل غلط ہے کہ سوامی جی روپیہ کو ہاتھ لگانے کے خوف سے اپنا نام وغیرہ چھپاتے تھے۔ آپ نے دل کھولکر اس زرِ سرخ و سپید کو جمع کیا اور اس مثل کے مصداق بن گئے۔ کہ ”بارش سے بچکر بھاگے مگر پرنالے کے نیچے کھڑے ہوگئے“

پس تیسری تنقیح کا بھی سوامی جی کے خلاف فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور تمام عذرات جو نام و نشان مخفی رکھنے کے سوامی جی نے اپنی سوانحمری میں خود لکھے ہیں محض غلط اور خلاف واقعات ثابت ہوتے ہیں۔ اپنا پتہ چھپانے کی وجہ کوئی خاص تھی۔ جس کے باعث یہ مصلحت اندیش سنیاسی ہمیشہ چھپتا رہا اور وہ وجہ یقیناً وہی ہے جو پنڈت دیورتن صاحب انکی لائیف میں لکھتے ہیں کہ

”یا تو انکی پیدائش کے متعلق کوئی ایسی شرمناک بات موجود تھی یا وہ جوانی کی عمر میں اپنے گھر یا اپنی بستی میں کسی ایسے جرم کے مرتکب ہوئے تھے کہ جسکے باعث وہ اپنی جائے پیدائش اور گھر اور والدین کا پتہ دینے سے گریز کرتے تھے یا یہ دونوں ہی باتیں تھیں“

(دیانند چرتر مولفہ دیورتن صفحہ ۱)

ورنہ آریہ مہاشے اس کا حل ایسا کریں جو عقل سلیم کی تسلیم کے قابل ہو اور واقعات صحیحہ پر مبنی۔ آگے سوامی جی کے خاص خاص واقعات نقل کرکے دیانندیوں سے جواب طلب کرتے ہیں :-

---

باب دوم

(بُت پرستی)

لنگ بازی سوامی دیانند جی مہاراج کا آبائی مذہب شیوی تھا آپ کے خاندان والے تمام کے تمام مہادیو کی مورتی کے بھگت اور شیولنگ کے پجاری تھے۔ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلکر آریہ سماج کا مہرشی بھی بچپن سے ہی مٹی کا لنگ بناکر اُس سے کھیلا کرتا تھا۔ یا بالفاظ دیگر شیولنگ گلی کے آگے سر جھکانا سیکھا کرتا تھا۔ جیساکہ وہ اپنی خود نوشت سوانحمری میں فرماتے ہیں کہ میری آٹھ سال کی جب عمر ہوئی تو

”اسی سال میرے ایک بہن پیدا ہوئی۔ میرے گھر کے کل آدمی شیو کے بھگت تھے وہ چاہتے تھے کہ یہ (مہرشی) بھی اسکی مت میں بھو پردین (داخل و منہمک) ہو جاوے۔ اُنھوں نے بچپن سے ہی اس (مذہب) کے سنسکار (رسومات) ڈال دئے تھے۔ میرے پتا و شیش کر مجھے اس طرف لگانا چاہتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ تو پارتھو پوجن ارتھات مٹی کا لنگ بناکر پوجن کیا کر“ (خود نوشت سوانحمری صفحہ ۷)

ناظرین! شاید آپ لنگ کی فلاسفی نہ سمجھے ہونگے کہ یہ کس چیز کا نام ہے۔ اور کیسی عبادت ہے۔ لہذا اسکے متعلق میں سوامی جی صاحب کا ہی بیان آپ کو سُنا دیتا ہوں جس سے آپ ”لنگ“ کی حقیقت معلوم کریں۔ سوامی صاحب شیومت کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ

”شیوؤں نے صلاح کرکے بھگ لنگ کو قائم کیا جس کو جلدہری اور لنگ کہتے ہیں اور اس کی پرستش کرنے لگے ان بے شرموں کو ذرا شرم نہ آئی کہ یہ

مکروہ کام ہم کیوں کرتے ہیں" (ستیارتھ پرکاش ص۳۵۰ مطبوعہ ۱۹۱۱ء نولکشور پریس لکھنؤ)
یہی ہے وہ بےحیائی کی پرستش کہ لنگ (عضو تناسل) کی پوجا بھی سوامی جی کا
شاہی خاندان کرتا تھا اور یہ ویدبھکت بھی مٹی کا لنگ بنا کر کھیلا کرتا تھا۔

مُورتی پُوجا

آریہ سماج کا بانی چودہ سال کی عمر میں باقاعدہ بُت پرستی پر لگایا گیا۔
اور بماہ ماگھ تیرہویں تاریخ کو دن بھر فاقہ کشی (برت) میں گذار کر رات
کو اپنے باپ کے ساتھ شیو مندر میں بُت پرستی کے قواعد سیکھنے کیلئے گیا اور رات بھر
شوالہ میں شب بیدار رہنا پڑا چنانچہ خود نوشت سوانحعمری میں اس واقعہ کا یوں ذکر کیا ہے کہ
"میرے شہر کے باہر ایک بڑا شوالہ ہے وہاں شیوراتری کے کارن بہت لوگ
جاتے آتے رہتے ہیں۔ میرا باپ اور میں بہت سے لوگ وہاں جمع تھے پہلے اور
دوسرے پہر کی پوجا پوری ہوئی ۱۲ بجے کے بعد لوگ لیٹ گئے۔ میں نہ سویا تھا۔
سُن رکھا تھا کہ سونے سے شیوراتری کا پھل (یعنی اس رات کو جاگنے کا جو نتیجہ
اور ثواب ملتا ہے وہ) پراپت (حاصل) نہیں ہوتا اسلئے جاگتا رہا لیکن میرے
باپ کا نصیبہ مجھ سے کم درجہ کا تھا۔ وہ سو گیا اور جاگرن (شب بیداری) کرنے
کے لیے مجھ کو اکیلا چھوڑ دیا۔ اور پوجاری لوگ بھی باہر جا کر لیٹ گئے" ص۵

شیوراتری یا کالی رات

سوامی جی کی زندگی کا یہ وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس پر
آریوں کو بڑا ناز ہے اور اس شب تاریک کو آریہ مؤرخین
و ایڈیٹران اخبار اسقدر خاص اہمیت دیتے ہیں کہ آریہ اخبارات ہر سال اس رات کی خوشی میں اخبار
کا غیر معمولی پرچہ "رشی بودہ نمبر" کے نام سے نکالا کرتے ہیں چنانچہ لاہور کا "آریہ گزٹ" اور "پرکاش"
بڑی شان و شوکت سے اس رشی نمبر کو شائع کرتے رہتے ہیں۔ ان نمبروں میں شیوراتری کے
نظم و نثر میں مضامین نکالتے ہیں۔ اور اس رات کو وہ لیلۃ القدر اور آریہ ورت یعنی ہندوستان
کی قسمت کا فیصلہ کرنیوالی اور الہام و گیان دینے والی بتاتے ہیں۔ ان اخبارات سے
میں بطور نمونہ ایک نظم و نثر کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں۔ "آریہ گزٹ لاہور کے رشی بودہ نمبر"
مورخہ ۱۵؍ فروری ۱۹۲۶ء میں زیر عنوان "رشی دیانند اور آزادی کی رات" ایک نظم

کہتی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

"وہ کنج تاریکی میں جب نور صداقت تھا نہاں ÷ شب شیوراتری تو ہوگئی پھر جلوہ کناں
مہرشی کو ملا اِک آن میں تجھ سے عرفان ÷ کر دیا چشم زدن میں تھا منور یہ جہاں
تو ہوئی جلوہ فگن سارے زمانہ کیلئے ÷ خفتہ بختی سے ہمیں آ کے جگانے کیلئے
رشی کو گیان دیا دیش بچانے کیلئے ÷ آریہ بھومی کی عظمت کو بڑھانے کیلئے"

(اخبار مذکور ص۱۱)

"دھن ہو پربھو ایسی رات دی کہ جیمیں برسوں کی میل دور ہو گئی۔ یہ جہاں راتری
یہ کلیاں راتری یہ رشی بودہ راتری یہ پوتر راتری یہ سو گئی راتری کبھی نہ آتی اب
یہ رات تو آ گئی مگر اسکا پیغام کیا ہوا۔ یہ کہ ایک کچا تاگا دھرم کا ایک موٹی آہنی
زنجیر بن گیا۔" (اخبار مذکور ص۱۲)

"آریہ سماج کی تاریخ میں شیوراتری ہمیشہ لیلۃ القدر رہیگی۔ اور ہر سال پرتوِ حق کی
جھلک دِکھاتی رہے گی۔ یہ شان کبریائی ہی تھی جس نے اس اندھیری رات
کی ظلمت میں سے وہ نورِ حقانیت پیدا کیا جس کے نور سے ہمارا یقین ہے ایک زمانہ
میں کل جہان منور ہو گا۔ اور جو بنی نوع انسان کے دل سے باطل پرستی کی سیاہی
دھوئیگا۔" (آریہ گزٹ رشی بودہ نمبر مورخہ ۱۵ فروری سنہ ۲۶ء ص۲۸)

آریہ مؤرخین۔ آریہ نامہ نگار۔ آریہ ایڈیٹران اخبار۔ آریہ جنٹلمین اس شیوراتری والی اندھیری
رات کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مختلف رنگوں میں اس رات کو مبارک خیال
کر کے طرح طرح کے مبالغوں کے ساتھ چار چاند لگاتے ہیں۔ ناظرین حیران ہونگے۔ کہ اس
رات کو کونسی سلطنت سوامی جی کو مل گئی تھی۔ یا اس چودہ سالہ لڑکے میں ایشور (خدا) حلول کر آیا۔ آخر
کیا اس رات میں مہرشی بننے والے طفل کو ہاتھ آ گیا جو آریہ پھولے نہیں سماتے؟ میں پبلک
کو زیادہ انتظار میں نہیں رکھنا چاہتا۔ اور جلدی بتا دیتا ہوں۔ کہ دیانند جی مہاراج کو اس
رات میں چوہے دیوتا کے درشن ہوئے اور دن بھر کے فاقہ اور رات بھر کے جاگنے سے
مندر کے بل میں سے چوہے نے نکلکر بانی آریہ سماج پر اوس گیان (علم) کا پرکاش (اظہار)

کیا جو بغیر راہنمائی موش دیوتا نا ممکن الحصول تھا۔ چنانچہ سوامی جی اپنی سوانحعمری میں اس چوہے کے نزول کا اسطرح قصہ بیان فرماتے ہیں کہ مندر میں سب سو گئے اور میں اکیلا جاگتا رہا۔ آدھی رات کے بعد ایسا واقعہ ہوا کہ

"مندر کے بل میں سے ایک چوہا باہر نکل کر پنڈی کے چاروں طرف پھرنے لگا اور پنڈی کے کھانے (اکشت وغیرہ) اوپر چڑھ کر بھی کھانے لگا۔ میں تو جاگتا ہی تھا اس لئے مینے سب تماشا دیکھا۔ اس سمے (وقت) میرے چت (دل) میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوکر سوال در سوال اوٹھنے لگے۔ یہ جو ہے کی یہ لیلا (حرکت) دیکھ میری بدھی (عقل) کو ایسا معلوم ہوا کہ جو شیو (مہادیو) اپنے پاشوپت استر سے بڑے بڑے پرچنڈ دیوتیوں کو مارتا ہے۔ کیا اُسے ایک تنکچھ چوہے کے بھگا دینے کی بھی شکتی (طاقت) نہیں مینے پتا جی سے کہا کہ وہ مورتی کتھا کا مہادیو نہیں تھا میں اوسکی پوجا کیوں کروں! میرے من میں فی الحقیقت مورتی پر شردھا نہیں رہی تھی۔"

(خود نوشت سوانحعمری ص۶)

لیجئے ناظرین! یہ ہے شیوراتری کی رات کا کرشمہ جو اس مثل مشہور کا مصداق ہے کہ "کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا"۔ اس چوہے نامہ کو "آریہ گزٹ" لاہور نمبر مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۲۰ء زیر سرخی "اکاش بانی" اسطرح منظوم کیا ہے۔

دیا نند سوامی وہ خضر طریقت ✦ نہیں رہبری میں کوئی مین کا ثانی
جو رگوں کا آئین تہا بت پرستی ✦ مسلّم تھی رسم عبادت پُرانی
شوالوں میں چھوٹے بڑے مرد عورت ✦ چڑھاتے تھے شیو لنگ پر جا کے پانی
خصوصاً تہی شیوراتری رات شیو کی ✦ یہی رات تھی عطر ایّام فانی
اسی رات ہمراہ اپنے پدر کے ✦ شوالے گیا وہ بصد شادمانی
غرض اپنی دُہن میں یونہی جاگتا تھا ✦ کہ اک موش (چوہا) پینے لگا آ کے پانی
چڑھا شیو کی چوٹی پہ وہ موش ابتر ✦ ذرا وقعت و ہیبت اس کی نہ جانی
یہ شنکا اُٹھی مُول شنکر کے دل میں ✦ یہی ذات مطلق ہے یہ وہم ثانی

ندا کا سے نا اپنی صورت دکھائی (دکھلا) ✦ شب تار میں ہوگئی ضو فشانی
اوجالا ہوا گیان کا دل کے اندر ✦ سُنی اپنے کانوں سے آکاش بانی

(اخبار مذکور صلہ)

آریہ دوستو! چوہے کا بل سے نکلنا اور ایک پتھر کے بے حس و حرکت بت کے ارد گرد گھومنا اور اسکے آگے سے چڑہاوے کی خوردنی اشیاء کا چن کر کھا جانا بالکل ممکن الوقوع اور ایسے معمولی واقعات ہیں جو روزمرہ ہوتے رہتے ہیں اس سے ایک چودہ سالہ لڑکے کا بُت کی بے حقیقتی کا خیال کر لینا بہت زیادہ شور و غل کے لائق نہیں اور نہ چوہے کی قلابازیاں دیکھنے والا اس سے کسی دقیق مسئلہ یا توحید کا ادراک کر سکتا ہے۔ یہ محض تمہاری خوش فہمی ہے۔ اس شیوراتری کے کرشمہ سے آپکا سوامی مہا پرشوں کے شمار میں نہیں آ سکتا اسلئے کہ چوہے سے جس توحید کا سبق سوامی جی نے حاصل کیا تھا وہ اسقدر کمزور اور ناقابل بیان تہا کہ اسکا کوئی زبردست اثر انکے لوح دل پر منقش نہیں ہوا۔ چوہے کی راہنمائی تری باد ہوائی ہی ثابت ہوئی۔ اگر توحید کی ذرا سی جھلک بھی اس اُمیدوار ریفارمر کو نظر آجاتی تو آئندہ سالہا سال وہ بُت پرست نہ بنا رہتا اور آئندہ آٹھ سات سال گھر پر بطور بُت پرست نہ گذارتا اور فارغ التحصیل ہوکر تو وہ ضرور ہی توحید کا دلدادہ اور بُت پرستی کا دشمن دیکھنے میں آتا۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس خیالی مہرشی نے مرتے دم تک حقیقی توحید اور سچے واحد خدا کو نہ جانا نہ پہچانا۔ آؤ اگر تم بھول گئے ہو یا ناواقف ہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ چوہے والا خیال ایسا نہیں کہ اسکو ہم سوامی جی کی بُت پرستی سے نفرت اور توحید سے محبت کے مشن کا بُنیادی پتھر کہہ سکیں۔ ذرا صبر و استقلال سے آئندہ صفحات اس کتاب کے ملاحظہ فرمایئے اور اپنے سوامی کی زندگی کے حالات کو گہری نظر سے دیکھ کر فیصلہ کیجئے کہ تم نے مہرشی کا خطاب دینے میں کسقدر جلد بازی سے کام لیا۔ سنو اور انصاف کرو!!

مورتی پر چڑہاوا بائیس سال کی عمر میں یہ لڑکا جس کو آریہ "مہرشی" بنانا چاہتے ہیں اپنے گھر سے موت کے خوف اور شادی کے ڈر سے

پیشکر کے ندامت او ٹھاؤ گے ؟ یہیں تک بس نہیں آگے چلو اور سنو !

دیانند ساند دیوتا کے شکم میں

خدایا مہرشی نشہ میں مست چنڈال گڈھ سے قریب کے ایک گاؤں میں پہونچے وہاں کے مندر میں ایک "دیوتا نندی سانڈ" کی مورتی تھی اور وہ اسقدر بڑی تھی کہ اس کے پیٹ میں ایک آدمی چھپ کر بیٹھ رہتا تھا۔ جو اس بُت کے پوجاریوں کو دھوکہ دیکر چڑھاوے لیا کرتا تھا۔ آریہ ورت کا مہرشی بقول دل را دلی ہی شناسد" اسکو تاڑ گیا۔ اور اسکی طرف ہاتھ بڑھایا کہ کچھ کھانیکو دے۔ وہ ڈر کر سانڈ کے پیٹ میں سے نکل بھاگا۔ سوامی جی مہاراج کیلئے جگہ خالی ہوگئی اور یہ مہاتما چوہے کے شاگرد موقعہ غنیمت جانکر جھٹ اس کے پیٹ میں گھس گئے۔ رات آرام سے اسی کے شکم میں بسر کی۔ صبح کو ایک بُت پرست بوڑھی عورت اس سانڈ کے بُت کی پوجا کو آئی۔ اور گوڑ اور دہی کا چڑھاوا چڑھانے لگی۔ پیٹ کے اندر والا دیوتا نظر پڑ گیا۔ اس کے آگے وہ دہی اور گڑ کا چڑھاوا رکھ دیا۔ اور اس کی پوجا کر کے عرض کی کہ اس کو نوش فرمایئے۔ شکمی دیوتا (سوامی دیانند جی) نے فوراً وہ دہی اور گڑ نوش جان فرما لیا۔ چنانچہ اس قصہ کو سوامی جی اسطرح لکھتے ہیں۔

"وہ کہ اسجگہ سانڈ یعنے دیوتا نندی کی مورتی کھڑی ہوئی تھی۔ اچانک اس مورتی کے اندر کی طرف نظر ڈالی تو مجھ کو ایک آدمی اسمیں چھپا ہوا نظر پڑا میں نے اپنا ہاتھ اسکی طرف پھیلایا جس سے وہ ڈر گیا اسنے جھٹ پٹ چھلانگ ماری اور گاؤں کی طرف سرپٹ دوڑ گیا۔ تب میں اوس مورتی کے اندر گھس گیا۔ اور رات بھر وہیں سو رہا۔ صبح کے وقت ایک بوڑھی عورت وہاں پر آئی اور اُس نے اس سانڈ دیوتا کی پوجا کی جس حالت میں کہ میں بھی اسکے اندر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی تھوڑی دیر بعد وہ گوڑ اور دہی لیکر واپس آئی اور میری پوجا کر کے اور مجھ کو غلطی سے دیوتا سمجھ کر کہا کہ اسے آپ قبول

چپ چاپ سرِشام بھاگ جاتا ہے۔ (دیکھو خودنوشت سوانحمری صفحہ ۹)

جس نے چودہ سال کی عمر میں یجروید حفظ کر لیا اور کچھ ویدوں کا پاٹھ بھی پورا ہو گیا تھا۔ دیاکرن نگھنٹو نروکت پورب میمانسا بھی پڑھ لئے تھے اپنے خاندان میں اثانی پنڈت بن چکا تھا۔ نیکی بدی کی تمیز آگئی تھی۔ بالغ ہو چکا تھا بعض بعض خاص مسائل میں مباحثات بھی کرنے لگ گیا تھا شیوراتری کی رات کو چوہے سے ہدایت بھی پا چکا تھا۔ یا ایں ہمہ یہ کیسی بُت پرستی سے نفرت ہوئی تھی۔ کہ گھر سے نکلتے ہی جو کچھ گھر سے چرا کر یا اٹھا کر بھاگا تھا یعنے سونے کی انگوٹھیاں اور روپے سب مورتی کے آگے چڑھا دیتا ہے۔ (دیکھو خودنوشت لائف صفحہ ۹)

اب بتاؤ وہ چوہے والی توحید اور شیوراتری والا کرشمہ کہاں گیا۔ کیا یہی قابل فخر واقعہ تھا جس نے چند سال بھی آپکے سوامی کو بُت پرستی سے نہ بچایا ؟ آگے چلو۔ اس چوہے والے کرشمے نے کیسا اثر کیا کہ جس کو بقول خود بُت پرستی سے نفرت دلا کر توحید کی راہ نمائی کی تھی۔ اُس چوہے والی توحید کو چوہے ہی کتر جاتے ہیں کہ چودہ سالہ موحد بائیس سالہ ہو کر خود ہی خدا بن جاتا ہے۔

مول شنکر خدائی بھیس میں

سوامی جی اپنے قلم سے لکھتے ہیں کہ میں بڑودہ شہر میں پہنچکر خدا بن بیٹھا یہ یجرویدی پنڈت بائیس سال کا پٹھ نوجوان لکھتا ہے کہ

"میں احمد آباد سے ہوتا ہوا بڑودہ شہر میں آکر ٹھہرا اور چیتن مٹھ میں برہمچاریوں اور سنیاسیوں سے ویدانت وشند (مسئلہ ہمہ دوست) پر بہت باتیں کیں مجھ کو ایسا نشچہ (یقین) ان سنیاسیوں نے کرا دیا کہ برہم ہم سے کچھ علیحدہ نہیں۔ میں برہم (خدا) ہوں یعنے جیو اور برہم ایک ہیں۔ اگرچہ اوّل ہی ویدانت شاستر کے پڑھتے وقت مجھکو کچھ اسبات کا خیال ہو گیا تھا۔ مگر اب تو میں اس (مسئلہ) کو کہ میں ہی خدا ہوں۔ مجھ سے علیحدہ کوئی خدا نہیں، اچھی طرح سمجھ گیا" (سوانح مذکور صفحہ ۱۱)



بولو! آریہ مثلیثوں!! چوہے والا سبق ذرا بھی آپکے سوامی کو یاد ہے ؟ اس سے بڑھ کر کفر اور ضلالت اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان خود خدا بنجائے۔ کیا یہی وہ اکاش بانی تھی جو چوہے کی معرفت تمہارے مہرشی پر پرکاش ہوئی تھی۔ کیا اب بھی اس چوہے نامہ کو لوگوں کے سامنے

فرمایئے۔ اور کچھ اسمیں سے تناول کیجئے۔ میں نے اسکو بہ سبب بھوکا ہونے کے کھا لیا" (سوانح مذکور صلہ)۔

او مہارشی کے فدائیو! کہاں ہو!! آؤ! ادھر دیکھو یہ تمہارا لنگوٹ بند سنیاسی کیا کہہ رہا ہے۔ تمہارے دھرم میں مہا پُرش ایسے ہی مہا کام کر کے مہاتما اور سوامی اور مہرشی بنا کرتے ہیں۔ کیا مہا پُرشوں کے یہی کیرکٹر ہوتے ہیں۔ کیا یہ موقعہ دہرم کے پرچار اور دیش کے سُدھار کا نہ تھا۔ کیا چوہے والی کہانی اس بُڑھیا گمراہ عورت کو سُنانی مناسب نہ تھی۔ کیا اپنی پوجا کرانی اسلئے تو نہ تھی کہ آپ مہاراج خود خدا بنے ہوئے تھے۔ یا بھوک کی شدت اظہار حق اور اصلاح بڑھیا سے مانع تھی یا اسوقت تک آپکو بُت پرستی کرنے اور کرانے کی گندی تعلیم سے واقفی نہ ہوئی تھی۔ یا یجروید کا کوئی منتر دیوتا نندی کا شکم پسر بننے کیلئے یاد آ گیا تھا۔ جو بڑھیا کو دھوکہ دیکر اپنی پوجا بھی کرائی اور میٹھی دہی بھی کھائی مگر سچی بات نہ بتائی۔ کیا ایسا ہی شیوراتری کا راگ اور چوہے کی قلابازیاں کوئی وقعت رکھتی ہیں؟ شیم۔ شیم۔ شیم۔ ابھی کیا ہے آگے اور سُنیئے اور مورتی پوجا سے نفرت اور توحید سے محبت کے نظارے اپنے سوامی کی زندگی میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳۸ سالہ بُت پرست ۱۴ سال کی عمر میں چوہے کا درشن کیا۔ بائیس ۲۲ سال کی عمر میں بالغ ہو کر گھر سے فرار کا ارادہ کیا۔ بقول آریہ گزٹ لیلۃ القدر کا سوامی گھر سے بھاگتا ہی سب روپیہ زیور مورتی کے آگے چڑھا دیتا ہے۔ پھر ویدوں کا گیانی بڑودہ پہنچکر آپ ہی خدا بن بیٹھتا ہے۔ ۳۲ سال کی عمر میں سیلانی دیوتا بنکر چڑھاوا لیتا اور بوڑھیا پجارن کو دھوکہ دیتا ہے۔ ۳۶ سال کی عمر تک کوہ و بن میں مثل دیگر عام سادھوؤں کے آوارہ گردی میں گذار کر متھرا میں ایک نابینا سنیاسی ورجانند نامے سے بینائی حاصل کرنے جاتا ہے۔ اسکے پاس ڈھائی سال تعلیم پاکر ۳۸ برس کی عمر میں پورا ویدوں کا عالم سنسکرت کا فاضل بنکر نکلتا ہے اب اس طرح تکمیل ہو جاتا ہے اور کوئی کسر ویدک دہرم کے حصول میں نہیں رہتی۔

جن چار ویدوں کا پڑھنا دوسروں کے لئے ۴۸ سال میں قرار دیتا ہے اون ویدوں کو معہ متعلقہ علوم کے خود چند سالوں میں جن کی مجموعی تعداد دس سال سے زیادہ نہیں ختم کر ڈالتا ہے۔ اب کوئی حالت منتظرہ ایسی نہیں رہی کہ ویدک دھرم کے پرچار کو پورا نہ کر سکے اس تمام مراحل کے طے کر لینے پر دیش کا سُدھار اور دھرم کا پرچار شروع کرتا ہی ہے پجاری ہے۔ سنیاسی ہے۔ سنسکرت کا ہمہ دان عالم ہے۔ ویدوں کا فاضل ہے۔ ورجانند کا شاگرد رشید ہے۔ متھرا سے دستار فضیلت بند ہو کر دو سال تک آگرہ میں رہ کر ویدک دہرم اور حاصل کردہ علم کی پریکٹس کرتے کرتے گوالیار سے گذرتا ہوا کرولی سے ہوتا ہوا جے پور میں ایک مصلح اور ویدک دھرم پر چارک کے لباس میں ڈیرہ جا لیتا ہے جہاں پر ویدک دھرم کی تبلیغ شروع ہوتی ہے۔ وہ تبلیغ کیا ہے؟ وہی قدیمی آبائی مذہب بُت پرستی کی تبلیغ اور اُسی شیومت یعنے لنگ پوجا کی ترغیب دی جاتی ہے جس سے چوہے نے سخت نفرت دلائی تھی۔ جے پور کا حال یہ بُت پرست موحد اپنی قلم سے یوں تحریر کرتا ہے کہ کرولی سے آگے

"وہ جے پور کو گیا وہاں بینے یہ ہم (اول) وشنومت کا کھنڈن کر کے شیومت کی استھاپنا (طرفداری) کی۔ جے پور کے راجہ مہاراج رام سنگھ نے بھی شیومت کو گرہن (قبول) کیا۔ اس سے شیومت کا پھیلاؤ ہو کر ہزارہا رودراکھش مالا میں نے اپنے ہاتھ سے دیں وہاں شیومت اتنا پکا ہوا کہ ہاتھی گھوڑے وغیرہ سب کے گلے میں بھی رودراکھش کی مالا پڑ گئی" (خود نوشت سوانحعمری صـ۲۳)

اے ست (صداقت) کو گرہن (قبول) کرنے والو! کبھی تو ان دکھانے کے دانتوں سے بھی کام لیا کرو! کیا تمہارے مہرشی نے تمام ودیا (علوم) ویدک دہرم کو حاصل کر لینے کے بعد اور چوہے سے توحید کا سبق پڑھنے کے پیچھے جے پور میں جا کر وہی مورتی پوجا اور وہی شیومت اپنے باپ دادا کے مذہب کا تمام ریاست کو معہ راجہ کے پیرو کار نہیں بنا دیا؟ بتاؤ یہی کہ یہ رودراکھش کی مالا تم کبھی نہیں پہنتے؟

کیا ایسے بھی بہی کہتے رہو گے کہ سوامی دیانند کے لئے شیوراتری کی رات کو

یہ تنا کار نے اپنی صورت دکھائی ✦ شب تار میں ہوگئی ضو فشانی

اوجالا ہوا گیان کا دل کے اندر ✦ سُنی اپنے کانوں سے آکاش بانی

ہوا مُول شنکر سے پھر وہ دیانند ✦ کہ وحدانیت جس کی عالم نے مانی

(آریہ گزٹ رشی بودھ نمبر مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۲۶ء صلا)

آج تو چے پور میں شیو کی پُوجا اور لنگ کی پرجا والے سوامی کو رودراکھش کی مالائیں پہناتے دیکھ کر یک زبان بول اٹھو کہ

کیا خوب چُوہے نے پامال اس کو ✦ دھری رہگئی اس کی سب لن ترانی

خبر خاک جس کو نہیں اپنے تن کی ✦ بنا یُگا اگیا نیوں کو وہ گیانی

اسے پوجتے عمر گذری تو گویا ✦ اکارت گئی سر بسر زندگانی

(آریہ گزٹ مذکور صلا)

باب سوم

جھوٹ کا اظہار اور راست کی گفتار

لو اور سنو! آریہ سماج کا مہرشی وید بھی پڑھ چکا۔ نابالغ بھی ہو چکا۔ پھر وید کو حفظ کرلیا مگر جھوٹ بولنے اور فریب کرنے سے ذرا نہیں جھجکتا۔ بائیس سال کی عمر میں گھر سے بھاگتا ہے۔ اور سدہ پور ایک جگہ جا پہونچتا ہے۔ چار سپاہی گرفتار کرنے کے لئے سوامی جی کے باپ کے ساتھ جاتے ہیں۔ یکایک سدہ پور کے نواح میں سپاہی اور ان کے ساتھ مفرور کا والد بزرگوار پہونچکر جا پکڑتے ہیں۔ باپ غصہ میں بھرا ہوا بُرا بھلا کہتا ہے۔ مارنے لگتا ہے۔ تو اس مار دھاڑ سے ڈر کر انیسویں صدی کا مہا پُرش باپ کے پاؤں پکڑ کر اسطرح جھوٹ اور فریب کا اظہار کرتا ہے کہ

وہ میں دہورت (بدمعاش) لوگوں کے بہکانے سے اس طرف نکل آیا۔ اور اتینیت (بہت) دُکھ پایا۔ آپ شانت (ٹھنڈے) ہوں میرے اپرادھوں (قصوروں) کو کشما (معاف) کیجئے۔ یہاں سے میں گھر آنے کو ہی تھا اچھا ہوا کہ آپ آگئے ہیں۔ آپ کے ساتھ ہی چلنے کو پرسن (راضی) ہوں۔ اسپر بھی انکا کوپ اگنی شانت نہ ہوا (غصہ فرو نہ ہوا) اور جھپٹ کر میرے کُرتے کی دھجیاں اُڑا دیں۔ اور تونبا چھین کر بڑے زور سے دھرتی (زمین) پر دے مارا اور سیکڑوں پرکار سے مجھے درد جن (دشنام) کہے اور نویں بستر (پارچات) دھارن کرا کے (پہنا کے) جہاں ٹھیرے تھے وہاں مجھ کو لے گئے۔ اور وہاں بھی بہت کٹھن کٹھن (سخت سخت) باتیں کہیں۔" (خود نوشت سوانحعمری صلا)

کیا مزے کی بات ہے کہ ایک جمعدار کا جو تحصیلدار کا درجہ رکھتا ہے ایک ساہوکار کا جس کے گھر میں دولت کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ لاثانی جوان بالغ عالم و فاضل ہونہار فرزند دلبند لخت جگر گھر کا چراغ خاندان کی لاج گھر سے بھاگ جاتا ہے۔ عاشق زار باپ کو اسکا پتہ لگتا ہے تو بجائے اس کے کہ خود تلاش کو جائے یا رشتہ داروں کو ساتھ لے پولیس کے سپاہی گرفتار کرنے جاتے ہیں معلوم نہیں کہ سرکاری قانون یہ بھی ہے کہ جب کسی کا نابالغ لڑکا خفا ہو کر گھر سے بھاگ جائے تو پولیس اس کو گرفتار کرکے لائے۔ ہمیں جہانتک علم ہے وہ یہی ہے کہ تاوقتیکہ لڑکا کوئی جرم قابل دست اندازی پولیس کر کے نہ بھاگے کبھی ماں باپ کی رپورٹ پر پولیس کی امداد نہیں ملتی۔ مگر بدنصیب مُول شنکر کو جو ودیا حاصل کرنے چلا ہے پولیس کے سپاہی گرفتار کرنے جاتے ہیں۔ باپ کی موجودگی میں وہ رات کو سپاہیوں کی حراست میں رہتا ہے۔ مگر باپ اپنے پاس اس کو نہیں رکھتا۔ یا رکھ سکتا جیسا کہ یہ نونہال بلند اقبال خود نوشت لائف میں اقرار کرتا ہے کہ والد صاحب سے

میں نے کہا اب میں چلونگا تو بھی میرے ساتھ سپاہی کر دیئے اور انہیں کہدیا

کہ کہیں دم بھر بھی اس نرموہی (فریبی) کو پرتھک (اکیلا) مت چھوڑو۔ اور اسپر راتری کو بھی پہرہ رکھو" (سوانح مذکور ص۱۱)

حیرت کا مقام ہے کہ جس بیٹے کا بیاہ گھر میں رچا ہوا ہے۔ تاریخ شادی مقرر ہو چکی ہے۔ وہ بیٹا دوران بیاہ میں بھاگ جائے تو ایسے موقعہ پر بھاگے ہوئے کو پیار سے دلاسے محبت سے چاپلوسے سے ماں باپ راضی کر کے گھر واپس لایا کرتے ہیں۔ یا اس کی مار دھاڑ گالی گلوچ سے درو شاکر کے اس کو سپاہیوں کی حراست میں دے دیا کرتے ہیں۔ جس سے وہ اور بھی رنجیدہ خاطر ہو کر ایسے سلوک سے اگر رہنا بھی ہو تب بھی گھر کا نام نہ لیوے۔ چنانچہ ایسا ہی اس فخر قوم سوامی نے بھی کیا۔ باپ نے جب اس کو سپاہیوں کے سپرد کر دیا تو یہ ہونہار پسر اُن سپاہیوں کی حراست سے بھی بھاگنے کی تجویزیں سوچنے لگا اور آخر موقعہ نکال کر ان کی نگرانی سے بھی بھاگ نکلا جس کا اس طرح وہ بیان کرتا ہے کہ پتاجی نے تو مجھے سپاہیوں کے حوالہ کر دیا کہ اسپر رات کو بھی پہرہ رکھو اور اعتبار نہ کرو۔

"مگر میں بھاگنے کا اپائے (تدبیر) سوچتا تھا اور اپنے ارادے میں ویسا ہی مستقل تھا۔ جیسے کہ وہ (سپاہی) اپنی سعی میں سرگرم تھے۔ مجھ کو یہی فکر تھی اور اسی گھات میں تھا کہ کوئی موقع بھاگنے کا ہاتھ لگے۔ حسن اتفاق سے تیسری راتری کے تین بجے پہرہ والا بیٹھا بیٹھا سو گیا میں اسی سمے وہاں سے پیشاب کے بہانہ سے بھاگ کر آدھ کوس پر ایک باغیچہ کے مندر کی چوٹی میں ایک درخت کے سہارے سے چڑھ کر جل (پانی) کا لوٹا ساتھ لیکر چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب اندھیرا ہوا تب رات کے سات بجے اس مندر سے نیچے اُتر کر سڑک چھوڑ کسی سے پوچھ دو کوس ایک گام (گاؤں) تھا وہاں جا کر ٹھیرا" (ص۱۱)

آریہ مترو! دیکھو اپنے گورو مہاراج کے یہ وہ کارنامے ہیں جن کی بدولت وُہ مہاپُرش کہلانے کا تمہارے بارگاہ سے مستحق ہوا۔ انہی فریبوں اور دروغگوئیوں

سے تم نے اس کو مہرشی بنا دیا۔ سچ کہو اور بتاؤ نہیں کہ (۱) کیا واقعی مُول شنکر کو دہرت لوگوں نے بہکا کر بھگایا تھا (۲) کیا اس نے یہ سچ کہا کہ پتاجی میں تو یہاں سے گھر آنے کو ہی تھا (۳) کیا یہ اس نے دہوکہ نہیں دیا کہ میں آپکے ساتھ ہی چلنے کو تیار ہوں یہ تینوں باتیں خالص جھوٹ نرا فریب اور محض دہوکہ نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا اس وقت سوامی جی نابالغ بچے تھے؟ کیا مُول شنکر کو جھوٹ اور سچ کی آجتک تمیز نہیں ہوئی تھی؟ کیا بائیس سالہ جوان چُھپے والے سبق سے اتنا ہی مستفید ہوا تھا کہ دل میں بھاگنے کی راہیں تلاش کرتا رہا اور زبانی جھوٹ کی نجاست اُگلتا رہا؟ کاش تمہیں کسی مہاپُرش کی زندگی کا علم ہوتا کہ مہاپُرشوں کی لائف کیسی پاک اور راستبازی کی ہوتی ہے۔ تو تم کبھی ایسے دروغگو کو مہارشی اور مہاپُرش نہ قرار دیتے۔ حیف ہے تم پر اور تمہاری عقل و دانش پر۔ آگے اب چوتھا جھوٹ سنو اور سر کو دہنو۔

عمداً چوتھا جھوٹ

جب موتی کے آگے انگوٹھیاں اور روپے کا چڑھاوا چڑھا چکا تو وہاں سے سائیلے ایک گاؤں میں پہنچا۔ وہاں ایک برہمچاری ملا جس نے تمہارے سوامی کو برہم چاری کا بہروپ بدلا دیا اور "شدھ چیتن برہم چاری" اسکا نام رکھدیا۔ اور گیروے کپڑے پہنا کر ایک تو بنا ہی ہاتھ میں دیدیا۔ یہ وُہی تو بنا اور کپڑے ہیں جن کو پتاجی نے پھاڑ کر تونبے کو زمین پر دے مارا تھا۔ مگر پُرخوف سوامی کو اپنی کرتوتوں سے ہر وقت پکڑے جانیکا خوف رہتا تھا۔ اور اسی سوچ میں تھا کہ کوئی ایسا رنگ بدلوں کہ کبھی پہچانا ہی نہ جاؤں۔ آخر سوچکر سنیاسی بننا پسند کیا۔ کہ اس سے عمر بھر گرفتاری کے خوف سے بے فکر ہو جاؤنگا۔ اسلئے سنیاس کے چوتھے درجہ میں داخل ہو کر دیا نند سرستی بن گیا۔ چنانچہ اس بہروپ کا وہ اسطرح قصہ بیان کرتا ہے کہ

"سائیلے گاؤں میں ایک برہم چاری ملا دسنے کہا کہ تم نیشٹک برہمچاری ہو جاؤ۔ چنانچہ اُس نے مجھے برہمچاری کی دیکھشا دی اور شدھ چیتن برہمچاری میرا نام رکھا" (صفحہ۱)

دیکھو اب تمہارا سوامی شدہ چیتن نام سے پکارا جاتا ہے اور نام و صورت بدلکر برہمچاری بن چکا ہے۔ اب یہاں سے دریائے نربدا کے کنارے چانتر ودکینالی میں پہونچتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ

"چونکہ میں اس سمے (وقت) تک (شدہ چیتن) برہم چاری تھا۔ اس لئے مجھ کو اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے پکانا پڑتا تھا۔ اس بکھیڑے سے چھوٹنے کے لئے مینے ارادہ کیا کہ سنیاس آشرم کے چوتھے درجہ میں داخل ہو جاؤں (تاکہ کھانا پکانا نہ پڑے سنیاسیوں کو بھیک مانگ کر کھانا ہوتا ہے۔ فاروق) علاوہ اسکے مجھ کو یہ بھی خوف تھا کہ اگر میں برہمچرج آشرم میں رہا تو کسی دن گھر والوں کے ہاتھ پکڑا جاؤنگا۔ کیونکہ میرا ابھی تک وُہی نام پرسدہ (مشہور) ہے جو گھر میں تہا۔ کنتو جو سنیاس لے لونگا۔ ساری عمر تک نشچنت۔ (گرفتاری کے خوف سے بے فکر) ہو جاؤں گا۔ چوبیس برس کی اوستھا (عمر) میں سنیاس دے میرا نام دیانند سرسوتی رکھا۔" (خود نوشت سوانحری صـ۱۲)

آریہ سجنو! دیکھا اپنے خطابی مہرشی کا جھوٹ نمبر چار سنیاسی بنتا ہُوا لکھتا ہے کہ میرا نام ابھی تک وُہی مشہور تھا جو گھر میں تھا یعنی بقول لیکھرام مقتول مول شنکر نام سے ہی پکارا جاتا تہا حالانکہ سائیلے گاؤں میں برہم چاری بنکر شدہ چیتن نام سے پکارا جانے لگا تہا۔ پھر بہلا اس جھوٹ کی کیا وجہ ہے کہ شدہ چیتن نام سے پکارا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی تک میرا گھر والا اصلی نام ہی مشہور تھا۔ کیا یہ غلط بیانی اور دروغگوئی اور فریب دہی نہیں؟ خدارا کچھ تو بتاؤ۔ مُنہ تو ہلاؤ۔ زبان سے نہیں تو دل میں ہی شرماؤ کہ تمہارے سوامی کی یہ کرتوتیں کیا ثابت کر رہی ہیں۔ آیا وہ سَت گیانی راستباز انسان تھا یا دروغ باف اور حیلہ ساز؟ اور یہ بار بار پکڑے جانے کے خوف سے بہروپ پھرنے کا کیوں خیال آتا تھا؟ یہ کوئی نادان بچہ تھا جسکو یاندہکر گھر والے لے جاتے جنہوں نے کبھی نام تک بھی نہ لیا۔ ایک بالغ خود نابالغ عمر جوان کو کسطرح پکڑ لیتے۔ یہ تو ضرور کوئی ایسا فعل مہرشی سے سرزد ہُوا تھا جس کے

پاداش میں ماں باپ کے ہاتھوں پکڑے جانیکا خوف نہیں بلکہ اسی کا لی ماتا پولیس کا ڈر لگا رہتا تھا۔ سچ بتاؤ کہ چودھری جیا لعل مصنف دیانند چھل کپٹ درپن کا بیان ہی تو صحیح نہیں جو اُنہوں نے کتاب مذکور کے صفحہ ۱۳ و ۴۰ پر لکھا ہے؟

باب چہارم

نشہ کا استعمال اور سنیاس کا بُرا حال

اُنیسویں صدی کا سنیاسی آریوں کا ست گرو یہی نہیں کہ جھوٹ ہی بولتا ہے یا خدا ہی بن بیٹھتا ہے یا لنگ کی پوجا ہی کرتا ہے یا سانڈ دیوتا کا شکمی پسر ہو جاتا ہے۔ یا شیو مت کا ہی پرچار کرتا ہے۔ یہ دید دں کا پورن ودوان برہمچاری بنکر عام ساد ہوؤں کیطرح قسم قسم کے نشوں کا بھی استعمال کرتا ہے۔ بھنگ پیتا ہے حُقہ پیتا ہے۔ نسوار سُونگھتا ہے۔ بال برہم چاری ہو کر ابرق کا کشتہ بھی جو قوت باہ کے لئے مجرب دوا ہے استعمال کرتا ہے پان کھاتا ہے۔ تمباکو کھاتا ہے۔ اعلیٰ غذا عمدہ لباس پہنکر سنیاس کو بدنام کرتا ہے۔

بھنگ نوشی

سوامی جی اپنے حال زار کا اسطرح اظہار کرتے ہیں کہ بھنگ پی کر بیہوش پڑا رہتا تہا مگر یہ عادت چنڈال جیسے مقدس مقام میں پہونچکر ہو گئی تھی۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ

"بد قسمتی سے اس جگہ (چنڈال گڈھ میں) مجھے ایک بڑا عیب لگ گیا یعنی مجھ میں بھنگ کے استعمال کرنیکی عادت ہو گئی چنانچہ بعض اوقات اس کے اثر سے میں بالکل مدہوش ہو جایا کرتا تھا۔" (صـ۹)

آگے چلکر اپنی قلم سے سوامی جی لکھتے ہیں کہ سانڈ دیوتا کے پیٹ میں گھسے ہوئے

جب میری پوجا کر رہا تھا ایک بوڑھیا عورت آئی اور چڑھاوے کیلئے گوڑ۔ اور دہی لائی تو اس دہی نے مجھے بہت فائدہ دیا کہ بھنگ کا نشہ ہرن ہو گیا۔

"وہ دہی چونکہ بہت کھٹا تھا اسواسطے بھنگ کے نشہ کے اُتارنے میں ایک اچھا علاج ہو گیا اس سے نشہ جاتا رہا جس سے مجھے بہت آرام معلوم ہوا۔"

(خود نوشت سوانحعمری صـ۲)

سوامی جی نے کہیں نہیں لکھا کہ یہ بد عادت بھنگ پینے کی مینے فلاں مقام یا فلاں سنہ میں چھوڑ دی تھی جس سے غالب گمان ہے کہ آپ تاحیات اس آبحیات کا شغل رکھتے رہے۔ ہاں چنڈال گڈھ میں پہونچکر بھنگ پینے کا عادی ہونا بیان کیا ہے۔ مگر اسکے خلاف آپ کا چیلا پروفیسر رام دیو جو ۱۹۲۳ء میں سوامی جی کے گھر بار ماں باپ کا پتہ تحقیق کر کے رپورٹ شائع کرتا ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ بھاگنے والے لڑکے کے باپ کا نام کرسن جی لال جی تھا۔ تمام کاٹھیا واڑ میں یہی مشہور ہے کہ "وہ بھاگنے والا لڑکا بھانگ بہت پیتا تھا۔"

(رپورٹ مرتبہ رام دیو مورخہ ۳۰ اسوج سمت ۱۹۷۹ صـ۷)

آریہ دوستو اب بتاؤ کہ تمہارا سوامی تو یہ کہتا ہے کہ میں بھاگنے کے بعد چنڈال گڈھ جا کر بھنگ پینے لگ گیا مگر تمہارا پروفیسر سوامی کا چیلا رام دیو یہ کہتا ہے۔ کہ سوامی جی مہاراج بھاگنے سے پہلے بچپن میں ہی گھر پر بہت بھنگ پیا کرتے تھے۔ دونوں میں کس کی بات سچی ہے اور کون اون میں سے جھوٹا ہے؟

کیا مہرشی اور مہاپرش کیواسطے بھنگی ہونا بھی لازمی ہے۔ جو تم نے بھنگ فرش کو مہرشی بنا دیا۔ آگے سنو!

حُقّہ نوشی جنوری ۱۸۷۷ء میں جب دیانند جی مہاراج میرٹھ میں تشریف لے جا کر لیکھ راج کے باغ میں ٹھیرے تو حقہ بہت پیا کرتے تھے۔ اسپر کسی پنڈت نے اعتراض کیا کہ تم سنیاسی ہو کر حُقہ پیتے ہو۔ یہ وید میں کہاں لکھا ہے؟ جواب میں سوامی جی سے کھسیانہ پن دکھایا اور معقول جواب نہ بن آیا۔ بجز اس کے کہ

حُقہ کو پھینک کر توڑ ڈالا۔ لیکھرام اس واقعہ کو اسطرح لکھتا ہے کہ

"اِن دنوں سوامی جی حُقہ پیتے تھے۔ ایک روز پنڈت بھاگیرت جی نے پرشن (سوال) کیا کہ یہ جو تمباکو پیتے ہو کیا وید میں کہیں حُقہ پینا لکھا ہے۔ سوامی جی نے اُتر (جواب) دیا کہ وید میں کہیں نشیدھ (ممانعت) ہے۔ آخر کار اونسے کہا کہ تم سنیاسی ہو کر حُقہ پیتے ہو۔ سوامی جی نے کہا کہ اگر تو حقہ سے ناراض ہوتا ہے تو لے یہ کہا اور اُسے پھینک کر توڑ ڈالا۔" (جیون چرتر تقطیع کلاں صـ۲۶۷ مطبوعہ باراول)

آریہ مہاشو! ہمیں بھاگیرت کے اعتراض کی واجبیت اور سوامی جی کی جھنجلاہٹ سے کچھ غرض نہیں ہمیں صرف یہ دکھلانا ہے کہ سنیاس کے مدعی سوامی جی مہاراج ۱۸۷۷ء تک بھنگ کے علاوہ حُقہ نوشی سے اپنے نشہ پسند دل و دماغ کی خدمت کرتے رہتے تھے۔ آگے اور لو۔

ہلاس سونگھنا فرخ آباد میں جب مہاراج پدھارے تو وہاں کے حالات میں لالہ منی لعل دیش نے بیان کیا کہ

"سوامی جی اِن دنوں پھوس سے رات کو بدن ڈھانک لیتے تھے اور ہاتھ پونچھنے کیواسطے ایک مٹی کا ڈھیلا پڑا رہتا تھا ایک ہلاس کی پڑیا تھی کیونکہ ہلاس (نسوار) سونگھ لیتے تھے۔" (جیون چرتر کلاں صـ۳۰۱)

یہی نہیں کہ آپ تمباکو کی نسوار سونگھتے تھے اور تمباکو پیتے تھے بلکہ سنیاسی جی مہاراج تمباکو کھاتے بھی تھے۔

تمباکو کھانا جب آپ کانپور براجے تو پنڈت ہردی نرائن کول نے وہاں کے حالات میں بیان کیا کہ

"وہ اُسوقت نسوار سونگھتے اور تمباکو کھاتے اور اینٹوں کا سر کے نیچے سرہانہ رکھا کرتے تھے۔"

(جیون چرتر کلاں صـ۴۱۱)

دیانندیو! اگر درحقیقت ویدک دہرم میں سنیاس کسی مرتبہ کا نام ہے اور بقول سوامی جی اسمیں مُنشی اشیاء کا استعمال بھی ممنوع ہے تو بول اُٹھو کہ سوامی دیانند کا سنیاس بھی مشتبہ اور مخدوش تھا۔ وہ نشہ سے پرہیز نہ کر سکے اور بلا دریغ وہ مُنشی اشیاء کا استعمال

کرتے رہے اسلئے نشہ بازی کا بدنما دھبہ اونکے سنیاس سے کبھی چھوٹ نہیں سکتا۔
اور تناسخ کی وارد گیر سے کبھی نجات نہیں مل سکتی ہم مجبور ہیں کہ بطور ایک سنیاسی کے بھی ہم
اونکو کوئی اعلیٰ مرتبہ نہیں دے سکتے۔ چہ جائیکہ تمہاری طرح اندھے ہوکر اونکو مہا پرشوں
کی ذیل میں داخل کرکے مہارشی کہنے لگیں۔ لو اور سنو!

قوت باہ کا کشتہ

(ہر بہ درست کا سدھارک اور دھرم کا پرچارک بال برہمچاری
رہیں نے دم وفات تک عورت کا منہ نہیں دیکھا اور برہمچاری
رہا۔) اتنا ہی نہیں کہ بھنگ کے ترنگ میں بے ہوش رہتا تھا اور یہی نہیں کہ حقہ ہی پیتا تھا اور
اسپر ہی بس نہیں کہ نسوار بھی سونگھتا تھا اور اسی پر اکتفا نہیں کہ وہ تمباکو بھی کھاتا تھا۔ بلکہ
اسکو ابرق سیاہ کے کشتہ اور پارے کی گولی کا بھی شوق تھا۔ کیوں نہ ہو یہ ہیچ مرج میں طاقت
مردی کے زائل ہونیکا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا اسلئے اسکی نگہداشت اور رکھ رکھاؤ
کی سخت ضرورت تھی۔ اس لیئے وہ متھرا میں جبکہ ورجانند اندھے سے تعلیم پاتا تھا
ابرق کا کشتہ اور پارے کی گولی بنایا کرتا تھا۔ جیسا کہ لیکھرام مقتول اپنی مرتبہ سوانحعمری
کے صفحہ ۴۷ پر لکھتا ہے کہ

"سوامی دیانند کبھی کبھی متھرا میں ابرق پھونکتے اور پارے کی گولی بھی باندھا
کرتے تھے۔" (صہ۴۷)

جب آگرہ پہنچے تو پنڈت گنگا رام نے کشتہ ابرق کھانے پر اعتراض کیا اور کہا کہ
یہ کرشن ابرک (ابرق سیاہ) ہمنے ایک برہمچاری سے لیا تھا جس کے ایک چاول
سے بوڑھے کو طاقت جوانی کی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ کرشن ابرک میرے پاس ہے
لے لینا چنانچہ انہوں نے (سوامی جی نے) پڑیا باندھکر دی مینے نہیں لی۔ مینے
کہا کہ مجھے سب دکھلا دو انھوں نے انکار کیا۔ آخر الامر میرے ضد کرنے پر
میرے روبرو رکھدیا۔ پھر مجھے راضی کرکے دیدیا۔ تب مینے کہا کہ کام دیو
(شہوت کا غلبہ) تو سب کو خراب کرے ہے تم کیونکر بچے ہو۔ فرمایا
کہ اس کی ترکیب ہے اس ترکیب سے رہے تو کام دیو مندہ ہو جاتا ہے جب چڑھ

جاتا ہے تو پھر نہیں اُترتا" صہ۴۹

سوامی جی کے فدا ہیو! حواس بجا کرکے ذرا بتاؤ کہ ایک بال برہمچاری کو ابرق سیاہ کے
کشتہ اور پارہ کی گولی کا استعمال کیوں کرنا پڑا۔ دیانندی فلاسفی سے اسکا جواب نہ
دینا بلکہ سچی اور قرین عقل بات بتانی ورنہ سنیاس کا پردہ تو پارہ پارہ ہو چکا ہے۔

باب پنجم

عیش و عشرت کے سامان

چوبیس سال کی عمر میں کاٹھیاواڑی لڑکا دیانند سرسوتی بنکر سنیاس دھارن کرتا ہے
۴۸ سال کی عمر تک آوارہ گردی میں دن گذارتا ہے کہیں چنے چبا کر اور کہیں بھیک مانگ کر اور
کہیں بھوکا رہکر وقت کاٹ لیتا ہے۔ بدن کو کبھی مٹی سے اور کبھی پھوس سے ڈھانک
کر ننگ دھڑنگ ایک لنگوٹی پر عمر گذارتا ہے۔ غرضیکہ ایک لمبا عرصہ ایسی حالت میں
رہتا ہے جیسی بالعموم ہندو فقیروں کی ہوا کرتی ہے۔ ویدک تعلیم کے مطابق جبکہ تہذیب
کی انتہائی حد تک پہونچی ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وضع ننگ دھڑنگ رہنے کی کسی عزت
کی مستحق ہو لیکن حقیقی تہذیب کی رو سے برہنگی کا لباس ایک مصلح مذہب اور ہادی قوم
کیواسطے جسقدر ناموزوں ہے وہ تحریر سے باہر ہے کیونکہ مصلحان قوم تو نمونہ ہوتے ہیں
اپنی قوم کے واسطے تاکہ قوم کا ہر فرد اُن کی سی رفتار گفتار چال چلن خورد و نوش لباس
و پوشاک وضع و قطع کی پابندی کرکے اسی رنگ میں رنگا جائے۔ مگر سوامی جی کی وضع
اس امر کو ظاہر کرتی تھی کہ وہ ملک کو مہذب اور شائستہ بنانے کے متمنی نہ تھے بلکہ وحشی اور
جنگلی بنانا چاہتے تھے۔ ایسی وضع والے ریفارمر کے پاس عورتوں کو اجازت نہ تھی۔

کہ وہ حاضر ہو کر کوئی فیض صحبت حاصل کریں۔ عورتوں کی حاضری جس طرح سوامی جی
کے برہمچریہ کو صدمہ پہنچانیکے احتمالات رکھتی تھی اُس سے بدرجہا زیادہ سوامی جی کی برہنہ
وضع عورتوں کی پاک دلی میں خلل انداز ہوسکنے کے قوی خطرات رکھتی تھی۔ اور خدانخواستہ
اگر یورپ و امریکہ کی اصلاح کا سودا سوامی جی کو مل جاتا تو اس عریانی تن کے ساتھ غالباً
مہاراج کو ان ملکوں میں داخل ہونیکی بھی اجازت نہ ملتی۔ بہرحال سنیاسی کیواسطے ایسی
وضع خواہ لازم ہی کیوں نہ ہو لیکن ایک واعظ کے واسطے کم سے کم ایسی وضع درکار ہے
جس سے معمولاً چھپانے کے قابل جسم تو ڈھکا رہے۔ اور واعظ بھی کیسا جو بقول آریہ سماج
ماکی ملکی۔ دینی۔ دنیوی تمام قسم کی اصلاحوں کا واحد ٹھیکہ دار ہو۔ اصل کو چھوڑ کر اگر سوامی
جی کی تصویر ہی جو آریہ سماج کے مندروں میں عزت کے ساتھ آویزاں رہتی ہے کسی
مہذب مجمع یا عورتوں کے سامنے درشن کیواسطے پیش کردیجائے تو مارے شرم کے پانی
پانی ہوجائیں۔ اور آنکھیں بند کرکے ڈر کر بھاگ نکلیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ
سوامی جی نے سنیاس کو دہتا بتاکر اپنی وضع میں ترمیم شروع کردی تھی۔ اور اس ترمیم میں
اسقدر ترقی کی کہ سنیاس کو محلہ میں بھی رہنے نہ دیا۔

خوش لباس آگرہ میں پہونچکر گیروے کپڑے پہنتے لوئی اوڑھتے دُھسا اوڑھتے جوتا
پہنتے تھے۔ صلا دوشالہ اوڑھے ہوئے جراب پہنے ہوئے صلا
اجمیر میں ایک لنگوٹ باندھے ہوئے اور اسپر ایک ریشمی دھوتی لپٹی ہوئی اور ایک بانات
کوٹ اودے رنگ کا ویسا ہی ٹوپ اور ایک برانڈی یعنی دُھسّہ کہ جسکے نیچے بانات لگی ہوئی
تھی اوڑھے ہوئے تھے۔ صلا۔ غرضیکہ اب سنیاسی جی خاصے ایک ریاست کے راجہ بن
چکے ہیں۔ جو پہلے چنے مانگ کر پیٹ بھر لیتے تھے۔ وہ اب اسدرجہ تک پہونچ گئے کہ ایک
پُر ہوس گرہستی سے بھی بڑھ گئے ہیں۔ فقیری اور سنیاس تو رخصت ہوچکے اب تو امیری اور
عیش و عشرت کا وقت آگیا ہے۔

خوش خوراک خورد و نوش کا رنگ بدلا۔ زبان کو خوش ذائقہ کھانوں کی تلاش ہوئی اور
تر تقے اڑانے لگے۔ سنیاسیوں کی طرح وقت بے وقت جیسا مل گیا

کھالیا۔ یہہ طریق نہیں رہا۔ بلکہ امرا کیطرح وقت پر کھاتے ہیں۔ بارہ بجے بھوجن کرتے ہیں
دودھ۔ سبزی۔ دال چاول کبھی کبھی کھچڑی اور پھلکے یہ ہمیشہ کا سامان تھا۔ جب تک
گرمی کا موسم ہو روز دہی۔ الائچی۔ مصری۔ زعفران کوٹا ہوا دھنیاں بنواتے کبھی کبھی
حلوا بھی بنواتے تھے۔ کبھی کبھی آم کا امرس بنواتے بھوجن کے بعد ایک پان کھاتے۔
آموں کے موسم میں دو تین آم کھاکر اوپر سے دودھ ایک سیر کے قریب مصری ڈالکر
پیتے ہیں۔ آم چوسنے کا بڑا شوق تھا۔ رات کو روز دودھ پیتے تھے صلا مرزاپور
سے داناپور لیجانے کیلئے ایک شخص آیا ہے۔ سوامی جی داناپور چلنے کو تیار ہوگئے ہیں۔
اسواسطے وہ شخص داناپور والوں کو سوامی جی کے آنیکی بشارت دیکر لکھتا ہے۔
میرے ایک پلنگ تیار کا سوامی جی کیواسطے آپ اریہار ڈکی دال کا بندوبست کر رکھیئےگا
سوامی جی وہاں پہنچتے ہی بھوجن کرینگے۔ اس چھٹی کے پاتے ہی آپ بابو گلاب چند کا
بنگلہ خالی رکھئے۔ اور جتنے ممبر آسکیں اسٹیشن پر حاضر رہیں۔ اور مہربانی کرکے آپ
کچھ پھل بھی رکھئے گا۔ جیساکہ امرود۔ شریفہ۔ کیلا شاید وہ انکو مانگیں۔ کیونکہ ہمنے
ان چیزوں کو دیکھا ہے۔ اور اچھی قسم کی تھوڑی سی مٹھائی بھی رکھیئے" صلا۔ آخر
سوامی جی جو شاید عام سادھوؤں کی طرح بغیر ٹکٹ ہی تیسرے درجہ میں کہیں نیچے
اوپر چھپکر سفر کرنیکے عادی ہونگے۔ اب سیکنڈ کلاس اور فسٹ کلاس میں سفر کرتے ہیں۔

خدمتگاروں کی ضرورت سنیاسی جی اب تو راجہ جی بن گئے ہیں۔ عمدہ لباس اور
اعلیٰ خوراک کا چسکہ پڑگیا ہے جو کبھی اپنے ہاتھ
سے روٹی پکایا کرتے تھے اور بھیک مانگ کر پیٹ بھرتے تھے۔ اب وہ بنارس
میں پہونچکر چند ملازموں کے لئے جو انکے واسطے درکار تھے اشتہار دیتے ہیں کہ ایک
ہوشیار برہمن کھانا پکانیوالا۔ ایک ہوشیار نوکر کہار۔ ایک کاچھی ایک کوری خدمتگاروں
کی ضرورت ہے۔ جسے ملازمت کرنی ہو وہ سوامی دیانند جی کے پاس حاضر ہوجائے صلا
پیارے ناظرین! ان سب حالات پر ایک ساتھ غور کرتے ہوئے سوامی جی
کے طریق معاشرت پر آپ کیا رائے قائم کرینگے۔ کیا قدیم ویدک دھرم کے

رکھ سے یہ خوردونوش سنیاس کو بیچ وبن سے ادکھاڑکر ظاہر نہیں کرتا کہ جس کو زبان کے چٹخارے اور مزہ کی فکر ہوا ور جو راجوں کیطرح رسوئی بنانے والے کی تلاش میں ہو اس کو خلاف ویدک دھرم سنیاسی کہکر مہاپرش اور رشیوں کی قطار میں کھڑا کرنا غلط نہیں تو اور کیا ہے ؟ - آریہ سماجیں انصاف کی نظر سے اپنے گرو سنیاسی کی لائف کو دیکھیں اور پھر ظاہر نہیں تو دل ہی دل میں شرما چھوڑیں -

باب ششم

اِخلاقی حالت کا فوٹو

اب ہم اس مصلح قوم کے اخلاق فاضلہ کا کچھ نمونہ انکی لائف سے دکھاتے ہیں کہ کیسے اعلیٰ اخلاق کا یہ مہرشی تھا - ذرا اس کے عبرتناک نظارے ملاحظہ فرمایئے کہ سوامی جی کا تلوّن ایک رنگ پر انکو قائم نہیں رہنے دیتا اسموقعہ پر ہم ان کی لائف کے علاوہ ستیارتھ پرکاش ان کی مشہور تصنیف پر بھی نظر ڈالیں گے - ناظرین آپ انصاف و عقل سے اب ان دلائل پر غور فرماویں جو میں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیشکرتا ہوں - سوامی جی ستیارتھ پرکاش اُردو مطبوعہ بار اوّل ۱۸۹۹ء کے تیسرے باب کی ۵۴ دفعہ میں نصیحت کرتے ہیں - کہ " ناصح ہمیشہ شیریں اور مہذب کلام بولیں " ص۵۷

یہ ہدایت تو نہایت خوش کن اور بیش قیمت ہے - لیکن میں ابھی آپکو دکھاتا ہوں کہ ان کتابوں کا واجب التعظیم پیشوا اور ویدوں کا مسلمہ عالم خود کہانتک اس ہدایت پر کاربند ہے

بھاگوت اور اسکا مصنّف

سمت ۱۹۲۲ میں جب آپ اجمیر گئے تو وہاں اپنے بڑے بھائیوں ہندوؤں کے خلاف زہر اُگلتے ہوئے ہندوؤں کی مشہور کتاب سری مد بھاگوت کو جھٹلوا اور مندروں کو اڑا تا گ...

دل خوش کرلیا کرتے تھے ص۵۲ یہانتک کہ ستیارتھ پرکاش لکھتے وقت بھی آپ یہی فرماتے نظر آتے ہیں کہ " واہ رے واہ ! بھاگوت کے بنانے والے لال بجھکڑ ! کیا کہنا تجھکو ایسی ایسی جھوٹی باتیں لکھتے ہیں ذرا بھی حیا اور شرم نہ آئی محض اندھا ہی بن گیا ان بھاگوت وغیرہ پُرانوں کے بنانے والے پیدا ہوتے ہی کیوں نہ رحم میں ہی ضائع ہو گئے یا پیدا ہونیکے وقت مر کیوں نہ گئے " (باب ۱۱ دفعہ ۴، ص۴۲۴) عورت مردوں کے مندروں میں میل ہونیسے زناکاری لڑائی بکھیڑا اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں (۱۱ باب ص۱۹۱)

رئیس بروِلی سے مُلاقات

راؤ کرن سنگھ رئیس بروِلی مہرشی کی شہرت سنکر ملاقات کو آتا ہے تو یہ خوش اخلاق ریفارمر اس سے ایسی تہذیب کا برتاؤ کرتا ہے جس کے جواب میں رئیس مذکور تلوار کھینچ پڑتی ہے - اپنے ملازموں سے مہاراج کو پٹوانے کا ارادہ کرتا ہے - یہ مہذب سنیاسی پتھر اوٹھاکر رئیس کو دے مارتا ہے - غرضیکہ پوری ریفارمری کا نمونہ اسموقعہ پر دکھلایا جاتا ہے ہم مختصر خاکہ اسکا جیون چرتر مرتبہ لیکھرام سے یہاں دکھاتے ہیں جو مختلف راویوں نے بیان کیا ہے پہلا راوی کہتا ہے کہ

" جب راؤ کرن سنگھ رئیس بردلی سوامی جی کے درشن کو آئے تو سوامی جی نے دیکھ کر کہا کہ چنڈال کی سی آکرتی کیوں کرلی - یعنے کھتریوں کا دھرم چھوڑ کر یہ بھکاریوں (بھیک مانگنے والوں) کا چن مستک پر (ٹیکا ماتھے پر) کیوں دھارن کیا ہوا ہے - اسپر وہ مار پیٹ پر آمادہ ہوئے اور تلوار کی مُٹھ پر ہاتھ رکھا اسکے ساتھ بلدیو پرشاد پہلوان تھا اوسنے کہا کہ میں اس (سادھو) کو درست کرتا ہوں - وہ آگے بڑھا اور سوامی جی پر ہاتھ ڈالنا چاہا - مگر سوامی جی نے اسکے ہاتھ کو پکڑکر دھکا دیا وہ پیچھے جا پڑا " ص۵۷

دوسرا راوی اس قصہ کی اسطرح روایت کرتا ہے کہ

" اس سے پہلے راؤ کرن سنگھ نے یہ بھی کہا تھا کہ ہمارے ہاں رام لیلا ہوتی ہے تم ہمارے ہاں چلو سوامی (شیریں زبان ناصح) نے کہا تم کیسے چھتری ہو جبکہ تمہارے

سامنے مہاپرشوں کو نچاتے ہیں اگر تمہاری بہن بیٹی کو کوئی نچائے تو کیسا برا مانو۔ اسپر تکرار ہوگئی اور بلدیو داس بیراگی تلوار کھینچکر اوٹھ کھڑا ہوا" ص۵۹۔ تیسرا راوی اس واقعہ کا یوں تذکرہ کرتا ہے کہ

"دوسرے دن شام کو راؤ کرن سنگھ معہ ملازمین و پنڈتاں کے اُن (سوامی) سے رام لیلا کے بارے میں مباحثہ کرنے کو آئے سوامی جی نے دلائل سے اسکا رد کیا اور مثال دی کہ جب تم انکا (یعنی مہاپرشوں کا) سوانگ کرتے ہو تو اگر کوئی تمہارے ماں باپ کا بھی سوانگ بھر کر ایسا کرے تو یقین ہے کہ فوراً غصہ آجائے۔ یہ کہتے ہی سب ہنس پڑے اور راؤ صاحب تلوار نکالکر سوامی جی کا سر کاٹنے پر آمادہ ہوا اٹھ کھڑے ہوئے" ص۵۹

چوتھا راوی اس دھینگا مشتی کو اسطریق سے ظاہر کرتا ہے کہ

"راؤ کرن سنگھ ایک دفعہ سوامی جی کے پاس گئے جب کوئی مذہبی ذکر چلا تو لا جواب ہوا اور غصہ کھا کر (راؤ جی نے) تلوار نکالی اور سوامی جی کے مارنیکو طیار ہوا مگر سوامی جی نے ایک بڑا پتھر اوٹھا کر اُس کی طرف پھینکا۔ وہ پتھر کی زد سے بچگیا سوامی جی نے گرج کے اسکے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ اور ایک ہاتھ سے زمین کی ٹیک دیکر تلوار کو توڑ کر اور اسکا ہاتھ پکڑ کر کہا کر کیا تو چاہتا ہے کہ ابھی یہ تلوار تیرے میں ہی گھسیڑ دوں جس سے اسکے اوسان خطا ہوگئے۔ اور سوامی جی نے تلوار پھینک کر اُسے چھوڑ دیا" ص۵۹ (جیون چرتر کلاں)

ناظرین یہ ہیں مختلف راویوں کی روایات جو ایک ہی واقعہ کے متعلق لیکھرام مقتول نے دیانندکی لائف میں جمع کی ہیں۔ قدر مشترک ان سب کا یہ ہے کہ معزز رئیس سوامی جی کو ملنے آیا تو سوامی جی نے اسکو اپنے اخلاق کا ایسا پاکیزہ نمونہ دکھایا کہ سنگ باری اور تیغ بازی کی نوبت پہونچگئی خیر ہوئی کہ رئیس بیرولی پتھر کی زد سے بچ گیا ورنہ آج تو ہم سوامی جی کی شیرین کلامی کا مؤرخانہ فیصلہ کر رہے ہیں۔ پھر صاحب سشن جج بہادر کو حاکمانہ فیصلہ کرنا پڑتا۔

آریہ مہاشو! یہ نظارہ غور سے دیکھنے کے قابل ہے ایک شخص سوامی جی کی ملاقات کو آتا ہے لیکن سوامی جی خواہ مخواہ بہکایوں کا مت کہہ کر اسکی دل آزاری کرتے ہیں کبھی اس

کی بہن بیٹی کے نچانیکی کبھی ماں باپ کے سوانگ بھروانیکی تمثیلات مثل ایک غیر مہذب اور بازاری پھکڑ کے پیشکرتے ہیں کبھی چانڈال کی سی اکڑتی کہکر اوسے چڑاتے ہیں یہ پُرجوش اور غضب ناک حرکات ایک مصلح اور سنیاسی فقیر سے دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ کہ کیا شیرین کلامی اور تہذیب اسی کا نام ہے اور یہی وہ ناصح ہے جو کہتا تھا کہ "ناصح ہمیشہ شیرین اور مہذب کلام بولیں" کہو تمہارے مہرشی کا فعل اوسکے قول کے سراسر خلاف ہے یا نہیں؟ یہی نہیں آگے اور شیرین بیانی ملاحظہ فرمایئے۔

راجہ بنارس سے سلوک

"پنڈت ہردی نرائن وکیل کانپور بیان کرتے ہیں کہ راجہ بنارس نے سوامی جی کو رام لیلا دیکھنے کیواسطے بلایا تھا سوامی جی نے درجواب (شیرین اور مہذب کلامی سے) کہلا بھیجا کہ یہ لونڈے بازوں کا کام ہے سنیاسیوں کا دھرم نہیں۔ اسی پر راجہ بنارس خفا ہوئے تھے" ص۱۲۹

دیانندیو! انصاف سے کہو کیا مہاراجہ بنارس جیسے معزز اور مہذب شخص انہی الفاظ میں جواب کے مستحق تھے۔ کیا رام لیلا میں شرکت کا انکار دوسرے لفظوں میں ممکن نہ تھا اور پھران فحش اور ناشائستہ الفاظ سے بجز اسکے کہ تمہارے گرو کی شیرین بیانی اور تہذیب کا پتہ لگ گیا اور کیا نتیجہ نکلا؟

ایک یورپین سے سلوک

"بمقام گورداسپور ایک دن لیکچر دے رہے تھے کہ اثنائے لیکچر میں ایک انگریز مسٹر کاک صاحب انجینئر بھی آکر کھڑے ہوگئے۔ خوش بیان سنیاسی نے ایک یورپین کو کھڑا دیکھ کر بے محل بے ضرورت اپنا شیرین کلام اور مہذب بیان اسطرح شروع کیا کہ انگریزوں کو اس ملک میں عرصہ ہوگیا مگر ابھی تک اونکا اُچارن اشدھ ہے (یعنی زبان کا لہجہ اچھا نہیں) ٹکار کی جگہ ٹکار بولتے ہیں۔ جیسے تم کی جگہ ٹم۔ مسٹر کاک صاحب کو نہایت برا لگا (ایسا مہذب اور شیرین کلام جو عین موقعہ پر بولا گیا برا تو لگنا چاہیئے نہ تھا۔ نمعلوم ایک مہرشی کا یہ نمونہ حسن کاک صاحب کو کیوں برا لگا۔ فاروق) کہ وہ چلے گئے اور چلتے ہوئے یہ کہہ گئے کہ اگر تم مغرب میں پشاور کی طرف آؤ تو تمہاری خبر لی جائے"۔ ص۲۳۷

مہارشی کی ڈگری دینے والو! بتاؤ تو سہی کہ انگریزوں کے لب و لہجہ کی غلطیاں نکالنے کو ایک سنیاسی کے لیکچر سے کیا تعلق تھا۔ ایک معزز نیک دل یورپین کی جو لیکچر سننے آیا تھا دل آزاری سے کیا فائدہ تھا؟ کیا مہذب ناصح اور شیریں کلام ناصح اسیطرح منہ چڑانے اور دل دکھانیکی حرکات کا مرتکب ہوا کرتے ہیں؟ افسوس تم پر اور تمہارے علم پر کہ ایسے شخص کو مہارشیوں کی لسٹ میں داخل کرنیکی کوشش کرتے ہو۔ جو معمولی انسانی تہذیب سے بھی اپنے جسم کی طرح ننگا ہے۔ ذرا اور سنو! یہ باخلاق سنیاسی مسلمانوں کی کس طرح دل آزاری کرکے اپنی فطرت کا ثبوت دیتا ہے۔

مسلمانوں کی دل آزاری فرخ آباد میں ایک روز تین چار مسلمان اس لنگوٹ بند سادھو سے ملنے آئے انھوں نے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے بھیجا ہے یا نہیں۔ سوامی جی نے اپنی فطرت کے مطابق کہا کہ "وہ محمدؐ اچھا آدمی نہیں تھا تم لوگوں نے اسکی پیروی کی یہ بُرا کیا جب چوٹی کٹوائی تو داڑھی رکھنے سے کیا مطلب اونچی بانگ دیتے ہو یہ کیا خدا کی عبادت ہے" علم و عقل سے بے بہرہ پاکیزگی سے معرا قرآن و حدیث سے ناآشنا اسلام سے ناواقف عربی زبان سے بے نصیب۔ سادھو اپنی کوڑ مغزی کا کیسے شستہ الفاظ میں اظہار کرتا اور لغویت سے چوٹی اور داڑھی کی مناسبت بتاتا اور اذان جیسی توحیدی صدا پر بیموقع معترض ہوکر مسلمانوں کی دل آزاری کرتا ہے۔ اور خیر البشر امام الانبیاءؐ کو خاک بدہنش اچھا آدمی نہیں بتاتا۔ کیوں؟ اسلئے کہ خود اچھا آدمی نہ تھا۔ مہاپرش اور نیک انسان ہوتا تو کبھی ایسی گستاخانہ بات نہ کہتا جس کا اسکو کوئی علم نہ تھا۔ دیکھو ستیارتھ پرکاش میں وہ لکھتا ہے کہ

"ہر ایک آدمی جیسا ہوتا ہے وہ عموماً اپنی ہی مانند دوسروں کو سمجھتا ہے"

(گیارہواں باب دفعہ ۱۰۱ صفحہ ۵۲۱)

اسلیئے وہ اپنے مانند ہی امام الانبیاء شافع روز جزا کو سمجھتا ہے کیونکہ خود اچھا آدمی نہیں تھا۔

کمشنر اور کلکٹر بریلی کا غصہ لالہ منشی رام حال شردھانند دیانند کی لائف مرتبہ لیکھرام کے دیباچہ میں بریلی میں دیانندی لیکچر

کی خوبی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"ایک روز سوامی جی پرانوں (پنڈتوں کی کتابوں سے) اُن کی اخلاقی تعلیم کا رد کر رہے تھے اسوقت پادری سکاٹ۔ مسٹر ریڈ کلکٹر ضلع اور مسٹر ایڈورڈس صاحب کمشنر قسمت معہ پندرہ بیس صاحبان انگریز کے رونق افروز تھے سوامی جی نے پرانکوں (ہندوؤں) کی عقل پر افسوس کیا۔ کہ دروپدی کو پانچ خصم کرا کے اُسے کماری (کنواری) قرار دینا اور اسیطرح کنتی تارا مندودری وغیرہ کو کنواری کہنا یوں انکی اخلاقی تعلیم کو ناقص ثابت کرتا ہے۔ سوامی جی کا طرز بیان ایسا پُر مذاق تھا کہ سامعین تھکتے نہیں تھے۔ اسپر کلکٹر اور کمشنر وغیرہ انگریز ہنستے اور اظہار خوشی کرتے تھے۔ (جس کی وجہ سے آریوں کا شیریں بیان ناصح رہ نہ سکا فاروق) اور سوامی جی مہاراج بولے پورانیوں کی تو یہ لیلا ہے۔ اب کرانیوں (عیسائیوں) کی لیلا سنو۔ یہ ایسے بہرشٹ (ناپاک) ہیں کہ کنواری (مریم) کے بیٹا پیدا ہونا بتلاتے اور پھر دوش (گناہ) پرماتما (خدا) پر لگاتے اور ایسا گھور پاپ (سخت گندہ گناہ) کرتے ہوئے تنک (ذرا) بھی نہیں شرماتے۔ اتنا کہنا ہی تھا کہ صاحب کلکٹر اور صاحب کمشنر کے چہرے مارے غصے کے سُرخ ہوگئے" (دیباچہ صفحہ ۶ (دیانند چرتر کلاں)

ماشاءاللہ کیا شیریں اور مہذب کلام کرنیوالا ناصح ہے اور کیسا برمحل حقانیت کا جوش نکالنے پر آمادہ رہتا ہے۔ بھلا پوچھو کہ اسطرح بیہودہ گوئی سے ہندو دیویوں کی نسبت لیکچر دینا کہاں کی شرافت تھی۔ کیا اسکو اچھے اور احسن لفظوں میں ادا کرنا نہیں آتا تھا پھر ہندو دیویوں کے خلاف زبان کھولتے ہوئے معزز عیسائی حکام کو کرانی کہکر ایسے دل آزار لہجہ میں مقدسہ حضرت مریم صدیقہ علیہا کی شان میں اپنی دلی پاکیزگی کا اظہار کرنیسے بجز ان معزز یورپین سامعین کی دل آزاری اور رنج رسانی کے اور کیا غرض ہوسکتی تھی؟ حیف ہے اس شیریں بیانی پر اور تُف ہے اس گندہ دہانی پر جو بے ضرورت کسی پر حملہ کرکے دوسروں کی بلا وجہ معقول دل آزاری کا موجب ہوتی ہے۔

بد اخلاقی کی انتہا بد اخلاق کا مجسمہ اور اصلاح دیش کا مدعی خانہ ساز مہرشی جنوری ۱۸۷۸ء میں راولپنڈی اور جہلم سے ہوتا ہوا گجرات پنجاب

میں پہونچا وہاں لیکچر بازی شروع کی۔ اوّل روز دھرم میں دوسرے روز فتح سر میں ڈیرا جمایا۔ دوسرے دن مورتی پوجا کے رد میں لیکچر دیا جس میں محمود غزنوی کا شکوہ شکایت کیا کہ اس بنے آریہ ورت کی دولت لوٹ لی۔ اور پھر مندروں میں ہندو عورتوں کے جانے اور وہاں کی ابتر اور تباہ حالت کا بیان کیا جس کے بعد کسی نے مکان کی چھت پر سے (جو غالباً کوئی ہندو عورت تھی) یہ سوال کیا کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ عورت کو لازم ہے کہ ایک ہی دفعہ اپنے خاوند کے پاس ہم بستری کیلئے جائے یعنی زناکاری نہ کرے (کیونکہ ایک بار سے زیادہ جماع کرنا ویدک دھرم میں زنا کہلاتا ہے) مگر جس عورت کا شوہر طوائف (کنچنی) کے پاس جائے اس کی عورت کیا کرے؟ یہ مہارشی کے حضور میں معقول سوال پیش ہوا تو اسکا جو لاجواب جواب اس پاک دل اور مہذب سنیاسی نے دیا ہے وہ اس قابل ہے کہ تمام آریہ سماجین اس کو آریہ مندروں کے دروازہ پر سُنہری حروف میں لکھوا کر بلور موٹو کے آویزاں کردیں تاکہ ہر ایک آریہ استری اور پرش کو یہ سنہرا اصول اور پاکیزہ جواب یاد رہے۔ اور اسپر عمل کرنیکو طیار ہو جائیں۔ مہرشی جی مہاراج ست گرو سنیاسی لنگوٹ بندبال برہمچاری اس سوال کا یہ جواب دیتا ہے کہ

"وہ اس کی عورت بھی ایک اور مضبوط سا آدمی رکھ لے"

آریہ دوستو! یہ بودیانند کی جے کیا مُنہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ کیا نا صحانہ شیریں اور مہذب کلام ہے کہ ایک بازاری انسان بھی جس کو سُنکر مارے شرم کے گردن نیچی کرلے۔ مگر اصلاح قوم کی دُھن نے اس مصلح کو آریہ استریوں کے سُدھار کیطرف بھی مجبور کر کے ان کے لئے ایک آسان اور نہایت دِل پسند راستہ نکال دیا ہے

دیانندیو!

یہی وہ سوامی دیانند ہیں — کہ دل میں بھرے جن کے یہ گند ہیں
یہی آریہ مت کا ہے وہ چراغ — کہ بدبو سے سڑ جائے جسکی دماغ
یہی وہ مہاراج ہیں مہرشی — کہ تھی نیوگ کی جس نے لیلا رچی
یہی آریوں کا ہے ریفارمر — کہ جس کا نہ تھا کوئی گھر اور دَر

یہی ہے شری اگنی ہوتر کا کا
زناکار ہے تیرا شوہر اگر
یہی آ گیا دیتے ہیں سر رُشتی
اگر شرم ہے تم میں کچھ آریو!
کہ گجرات میں برہمچاری نے یوں
کہ زانی ہو جس اِستری کا پتی

جو کہتا ہے عورت کو اے پارسا
رکھ اِک یار مضبوط سا تو بھی گھر
جو ہیں دھرم پر جار رکھدعی
تو جلدی سے مجھ کو جواب اسکا دو
دیا سائل کو جواب ایسا کیوں
رکھے ایک یار اپنا وہ اِستری

باب ہفتم

مُسلمانوں کا اِحسان اور سلوک

جب یہ خطابی مہرشی فارغ التحصیل ہو کر متھرا سے روانہ ہوئے تو اسوقت ان کے پاس نہ تو پہننے کیلئے کوئی کپڑا تھا اور نہ کھانیکے واسطے کوئی سامان جہاں آپ دھرم پرچار کے لئے جاتے تو شہر کے باہر کسی ندی کے کنارے ورنہ جنگل یا باغات میں معمولی سی کٹیا بنا کر گذارہ کر لیتے۔ ایسی حالت میں وہ اپنی فطرت سے مجبور ہو کر جبکہ دیگر مذاہب کا رد کرتے اور پیشوایان مذاہب غیر کو بُرا کہتے تھے تو ضروری تھا کہ اُن سے سب لوگ ناراض ہوتے جس سے انکو اپنی دلی آزاری کے کرتب میں دِقتیں پیش آئیں۔ مگر افسوس کہ جن لوگوں نے اس متعصب سنیاسی پر خاص احسان کئے اُن کی نسبت آریہ سماجیوں کی واقفیت بہت کم ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس زبان دراز سرستی کا اس کے ہندو بھائیوں کی طرف سے اینٹ اور پتھر اور گالیوں سے خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ بلکہ بارہا زد و کوب کے لئے ہتھیاروں اور لاٹھیوں سے حملے ہوتے تھے لیکن تھوڑے آدمی جانتے ہیں کہ اسلام کی توہین کرنے کے باوجود اہل اسلام اس آوارہ وطن اور احسان فراموش مہاپرش پر احسان پر احسان کرتے تھے

مگر یہ انکی دِل آزاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا تھا۔

ہندوؤں کے مکان سے نکلنا اور مسلمانوں کی کوٹھی میں آنا۔

چنانچہ لاہور میں جب اپریل ۱۸۷۷ء میں مہاراج رونق افروز ہوئے تو رتن چند رئیس لاہور مشہور معروف داڑھی والے کے باغ میں قیام کیا اور وہاں سناتن دھرم کے خلاف لیکچر بازی شروع کی۔ جس کا بیان جیون چرتر کلاں مرتبہ لیکھرام کے باب سوم فصل دوم میں اسطرح ہوا ہے۔

"یہ ایک مشہور بات تھی کہ پنڈت (دیانند) صاحب بُت پرستی کی بیخکنی کرتے ہیں۔ یہاں کے برہمن لیکچر قرار پانے سے پہلے ہی پنڈت صاحب کے ساتھ اسقدر خصومت قائم کر بیٹھے تھے کہ لیکچر کے وقت ان لوگوں نے نہایت شور و غل اور بیہودہ پن کا اظہار کیا یہاں تک کہ اگر پولیس کا انتظام نہ کیا ہوتا تو عجب نہ تھا کہ کسی قسم کا فساد بھی برپا ہو جاتا۔" صہ ۳۰۲

"اسی اثناء میں جس شخص کے باغ میں پنڈت صاحب فروکش ہوئے تھے اوسنے باوجود ایک (ہندو) رئیس ہونیکے بلحاظ اسبات کے کہ اس نے خود اپنی رضا سے مکان مذکور ان کی سکونت کے لئے عنایت کیا تھا۔ تعصب کا مطیع ہو کر پنڈت صاحب سے مکان مذکور کے خالی کرانیکا متقاضی ہوا۔ سوامی جی کے خیر اندیشوں نے فوراً ایک دوسری کوٹھی کا جو اس مکان سے کہیں بڑی اور کہیں عمدہ تھی انتظام کر دیا۔ اور پنڈت صاحب نے رئیس مذکور کے مکان کو چھوڑ کر اس نئی کوٹھی میں سکونت اختیار کی۔

یہ نئی کوٹھی اس شہر کے مشہور ڈاکٹر خان بہادر رحیم خان صاحب کی تھی کہ جن کے حسن اخلاق اور سیر چشمی کا ہمارے ناظرین اس امر سے بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ باوجود مسلمان ہونیکے جب لوگوں نے ان سے کوٹھی کے لئے درخواست کی تو انہوں نے نہایت خوشی کے ساتھ کوٹھی پنڈت صاحب کیلئے خالی کر دی۔ درحقیقت خانصاحب کی یہ ایک ایسی عنایت تھی کہ

جس کے لئے پنڈت صاحب کے ہوا خواہ ہمیشہ مشکور و ممنون رہیں گے۔" (صفحہ ۳۰۲ جیون چرتر کلاں)

او مسلمانوں کے دشمنو! دیکھو مسلمانوں کا احسان اپنے گورو پر کہ ہندو رئیس داڑھی والا ہو کر بھی اپنے باغ سے نکالدیتا ہے صہ ۳۰۲ ست سبھا والے بھی اس کے دلخراش لیکچروں سے ناراض ہو کر مکان دینے سے انکار کر جاتے ہیں (صہ ۳۱۲) برہم سماج والے بھی اپنے مندر میں لیکچر کی اجازت نہیں دیتے صہ ۳۰۲ مگر عالی حوصلہ مسلمان خان بہادر ڈاکٹر رحیم خان صاحب فوراً اپنی کوٹھی خالی کر دیتا ہے جسمیں تمہارا سوامی لیکچر بھی دیتا ہے اسلام کے خلاف بھی بولتا ہے۔ صہ ۳۰۲ اسی کوٹھی میں پہلی دفعہ اُپا سنا اور ہون بھی ہوتا ہے۔ صہ ۳۱۱ اسی کوٹھی میں آریہ سماج لاہور قائم کی جاتی ہے۔ مگر فراخدل خان بہادر ہندوؤں کی طرح سوامی کو بستر بوریا اُٹھا کر چل دینے کو نہیں کہتا۔ یہ ایک دفعہ کا ہی واقعہ نہیں بلکہ دوبارہ جب لاہور میں دیانند مہاراج جاتے ہیں تو پھر بھی مسلمانوں کے ہی زیر بار احسان ہوتے ہیں۔

نوّاب نوازش علیخاں کا احسان

دوبارہ نومبر ۱۸۷۷ء میں جب دل آزار سوامی لاہور میں آیا تو کسی ہندو نے آپ کو مکان رہنے کے لئے نہ دیا۔ اسدفعہ بھی، نوّاب رضا علی خانصاحب رئیس لاہور نے اپنے باغیچہ بیرون مستی دروازہ میں رہنے کی اجازت دی۔ صہ ۳۱۷ جہاں پر کینہ توز سنیاسی نے دل کھولکر اسلام کے خلاف زبان درازی کی اور نوّاب صاحب کو سُنا کر کی جیساکہ لکھا ہے۔

"سوامی جی اسدفعہ بھی نوّاب صاحب کے باغیچہ میں رونق افروز ہوئے وہاں ایک دن (یہ احسان فراموش بد اخلاق سادھو) دین اسلام کی تردید میں دیاکھیان (لیکچر) دے رہے تھے اور پاس ہی جناب نوّاب نوازش علیخان صاحب ٹہل رہے تھے۔ اور لیکچر برابر سُن رہے تھے۔ لیکچر کے اختتام پر ایک شخص نے سوامی جی سے کہا کہ مہاراج آپ کے ٹھیرنے کے واسطے نہ کوئی ہندو مکان دیتا ہے اور نہ کوئی عیسائی۔ اور نہ مسلمان (مسلمانوں کا نام محض

جھوٹ اور مشاہدہ کا انکار ہے۔ فاروقی) نواب صاحب نے مہربانی سے
مکان عنایت فرمایا۔ آپ یہاں بھی کھنڈن (تردید) کرتے ہیں آج نواب
صاحب بھی لیکچر سُن رہے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ناراض ہوں" صفحہ ۳۲
اس معقول اور امر واقعہ حقیقت کو سُنکر تعصب کا پُتلا بغض کا مجسمہ لنگوٹ بند سادھو کیسا تنگ خیالی کا جواب دیتا ہے کہ

"میں دینِ اسلام کی تعریف کرنے یہاں نہیں آیا ہوں۔ اور نہ کسی اور دین کی۔ میں تو صرف ویدک دھرم کو سچا مانتا ہوں اور باقی سب مذاہب کو باطل۔ مینے دیکھ لیا تھا کہ نواب صاحب سُن رہے ہیں پر انکو جان بوجھکر ویدک دھرم کی خوبیاں سُنا رہا تھا" صفحہ ۳۲

کیا جواب ہے کہ معترض تو یہ کہتا ہے کہ ایک محسن معزز مسلمان رئیس نے ایسی حالت میں کہ سب ہندوؤں عیسائیوں نے بوجہ آپ کی سخت زبانی کے آپکو ٹھیرنے کے واسطے مکان دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اپنا مکان عنایت کیا ہے آپ اُن کے مکان پر اونکے سامنے اونکے مذہب اسلام کی خلاف لیکچر نہ دیں تا کہ اُن کی دل آزاری نہ ہو اور ویدک دھرم کے پرچارک (مبلّغ) کو وہ احسان فراموش اور بے تمیز و غیر مہذب نہ جانیں یہ بد زبانی دوسرے موقعہ پر بھی ہو سکتی ہے۔ جبکہ کسی مسلمان کا مکان نہ ہو۔ مُنہ پھٹ سنیاسی کہتا ہے کہ مَیں نے تو جان بوجھکر اپنے محسن کا دل دُکھایا ہے۔ مَیں ویدک دھرم کو سچا جانتا ہوں۔ اسلئے اسلام کی مخالفت کر کے ویدک دھرم کی صداقت اور خوبیاں نواب صاحب کو سُنا رہا تھا۔ کیا خوب ویدک منطق ہے کہ اسلام کی مذمت کرنیسے ویدک دھرم کی صداقت اور مسلمانوں کو بُرا کہنے سے ویدک دھرم کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں کیا فلاسفی ہے کہ جب اسلام اور مسلمانوں کو بُرا بھلا کہا جائے تب دیانندی پنتھ یعنی ویدک دھرم کی خوبی ظاہر ہو۔ ایک طرف تو یہ انیسویں صدی کا مہرشی کہتا ہے کہ "اپنے مُنہ سے اپنی تعریف کرنا اور اپنے ہی دھرم (مذہب) کو بڑا کہنا اور دوسرے (مذاہب) کی مذمت کرنا جہالت کی بات ہے۔ اپنے مُنہ سے اپنی تعریف تو چوڑ بھی کرتے ہیں"
(ستیارتھ پرکاش بارہواں باب دفعہ ۹ صفحہ ۵۸)

دوسری طرف اپنے ہی مذہب ویدک دھرم کو بڑا سچا اور دیگر تمام مذاہب کو جھوٹا کہکر جہالت کا مرتکب ہوتا ہے۔ بہر حال اس شخص کی لائف پر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخالف مذہب لوگوں کی مذمت۔ ایذا رسانی۔ دل آزاری کو فرض عین جانتا تھا۔ باوجودیکہ مسلمانوں نے اسکے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک اور محسنانہ برتاؤ کیا مگر اس پاک دل سنیاسی نے جب موقعہ پایا ڈنگ ہی چلایا۔ مسلمانوں کے حسن سلوک کے اعتراف میں آریہ اخبار پرکاش لاہور کا مندرجہ ذیل مضمون کافی شہادت ہے۔ جو "سوامی دیانند اور اہل اسلام" کی سُرخی سے مسٹر چونی لعل ایم۔ اے ایل۔ ایل بی بیرسٹرایٹ لا آریہ نے تحریر کیا ہے کہ

مُسلمانوں کے حُسنِ سلوک کا اعتراف،

"جن جماعتوں اور ہمدرد دوستوں نے مہرشی (دیانند) کو پرچار میں خاص مدد دی اونکی نسبت عام آریہ سماجیوں کی واقفیت بہت کم ہے۔ کَون نہیں جانتا کہ ویدک دھرم کے پرچار میں پرانکوں (عام ہندوؤں) کی طرف سے آریہ سماج کے بانی کا اینٹ اور پتھر سے ستکار (خیر مقدم) کیا جاتا تھا اور جن لوگوں کی اُنتی (بہبودی) کیواسطے اُنھوں نے ہر طرح کے کشٹ (تکالیف) سہے اُنہی لوگوں نے مہرشی پر کئی بار شستر (ہتھیاروں) سے حملے کئے اور زہر دی۔ مگر بہت تھوڑے آدمی جانتے ہیں۔ کہ اسلام کا کھنڈن (رد) کرنیکے باوجود اہل اسلام رشی دیانند کو ایک خاص عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سوائے آریوں کے جو سوامی جی کے پیرو بن گئے تھے۔ اگر کسی غیر مذاہب والے نے اُن کے پرچار (تبلیغ کے کام) میں کوئی سہولت پیدا کی تو وہ اہل اسلام تھے۔

اگرچہ اسوقت یہ میری خواہش نہیں ہے کہ میں اُن تمام مسلمان دوستوں کا ذکر کروں۔ جنہوں نے پرچار میں خاص مدد دی مگر میں اون میں سے دو تین مہربانوں کا ذکر ضرور کرنا چاہتا ہوں۔ اور یہ بھی ظاہر کرتا ہوں کہ سوامی جی کی مسلمانوں کے ساتھ چھوت چھات کے متعلق کیا رائے تھی۔

مہرشی کا سب سے پہلا بڑا مباحثہ انوپ شہر میں ہوا اس وقت انوپ شہر کے تحصیلدار سیّد محمد نامی ایک مسلمان تھے۔ جنہوں نے سوامی جی کی حسب خواہش جلسہ کا انتظام کیا

اور جب رشی دیانند کو اسجگہ زہر دی گئی اسوقت یہی شخص تھے جنہوں نے پرینا (التجا) کی کہ اگر اجازت ہو تو پاپی کو قید کرایا جائے۔

جب مہرشی سنہ ۱۸۷۴ء میں بنارس پرچار کرنے گئے سید احمد خان وہاں کے سب تھے۔ اور سوامی جی کے لیکچروں کا پربندہ (اہتمام) سید صاحب کے مکان پر ہی کیا گیا۔ اور یہ ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ باوجود اسکے کہ رشی نے اپنی کھنڈن کی پالیسی کو بدستور جاری رکھا تھا۔ اس دفعہ پرچار میں ان کو کسی قسم کی دقت پیش نہ آئی۔ جب اسکے چار سال بعد سنہ ۱۸۷۸ء میں مہرشی دیانند علی گڈھ گئے۔ اسوقت سر سید احمد خان بھی وہاں تھے اور انہوں نے سوامی جی کی تشریف آوری پر ایک بھاری جلسہ کیا جس میں ہر جماعت اور ہر مذہب کے لائق آدمیوں کو مدعو کیا۔

جب رشی لاہور میں تشریف لائے تو ان کے پہلے چند لیکچر برہمو سماج میں کرائے گئے لیکن جب برہم دھرم کے انویائیوں (کارکنوں) نے دیکھا کہ وہ تو ویدوں کی تعریف کرتے ہیں۔ اور ویدوں کو ایشور کرت (الہامی) مانتے ہیں۔ انکو برہم سماج میں اپدیش (لیکچر) دینے سے روک دیا گیا۔ سوامی جی رتن چند کے باغ میں ٹھہرے ہوئے تھے لیکن یہاں سے پورانک پنڈتوں نے کوشش کر کے اونہیں ہٹا دیا۔ اسحالت میں جبکہ مہرشی کے پاس کوئی ٹھہرنے کا مکان نہ تھا۔ اور نہ کوئی پرچار کے لئے جگہ تھی۔ ڈاکٹر رحیم خان صاحب نے اپنی کوٹھی جو انارکلی میں واقع تھی۔ باوجود اس علم کے کہ سوامی جی اسلام کا بھی کھنڈن (رد) کرتے ہیں۔ اونکے حوالہ کر دی اسی کوٹھی میں آریہ سماج لاہور کی بنیاد رکھی گئی۔

سب سے بڑا اور مشہور مباحثہ (مسلمانوں سے) چاندا پور میں ہوا۔ اسلام کی طرف سے مولوی محمد قاسم جو دیوبند سکول کے پرنسپل اور عربی زبان کے بڑے فاضل تھے شامل جلسہ ہوئے یہ مباحثہ لگاتار نو گھنٹہ تک ہوتا رہا۔ جب ہم اس شانتی (امن اور راحت) اور نمرتا (حسن سلوک) کا جس کے ساتھ اہل جلسہ آپس میں ملتے تھے۔ کانشی کے مباحثہ (جو ہندوؤں سے ہوا تھا) کے دنگہ فساد کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ تو ہم کو ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ پرانکوں (قدیم ہندوؤں) اور مسلمانوں کے سلوک میں کتنا زمین و آسمان کا فرق تھا۔ کئی دفعہ اپدیش

دیتے ہوئے (مباحثہ میں) مہرشی (دیانند) کٹھور شبد (سخت الفاظ) بھی استعمال کر دیا کرتے تھے۔ مگر جہاں ہندو پنڈت اسکا جواب اینٹ اور پتھر سے دیتے تھے وہاں اہل اسلام مہرشی کے مہتو کو (بڑائی) (علم و بزرگی کا پاس) کرتے ہوئے کبھی برا نہیں مناتے تھے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ سوامی جی مسلمان دوستوں کے مکان پر ٹھہرے ہوئے بھی اسلام کی تردید کرتے تھے۔ مگر کبھی کسی مسلمان نے ان کا نرادر (ہتک) نہیں کیا۔

سوامی جی چھوت چھات کو ویدک دھرم کا کوئی انگ (جزو) نہیں سمجھتے تھے۔ جب آپ سنہ ۱۸۷۹ء میں فرخ آباد پرچار کرتے تھے ان سے سوال کیا گیا کہ کیا کارن (وجہ) ہے کہ ہندو لوگ اہل اسلام کے ساتھ کھانا پینا دھرم ورودھ (خلاف) سمجھتے ہیں؟ مہرشی نے اسکے جواب میں کہا کہ آریہ دھرم وہی ہے۔ جو ویدوں میں ہے۔ لوگ اپنی مورکھتا کے کارن (جہالت سے) چھوت چھات میں دھرم سمجھے بیٹھے ہیں۔ چھوت چھات ایک سوشل رسم ہے۔ جس کا دھرم کے ساتھ کوئی سمبندھ (علاقہ) نہیں۔" (پرکاش لاہور رشی نمبر مورخہ ۲ نومبر سنہ ۱۹۱۷ء صفحہ ۲۱ و ۲۲)

او احسان فراموش دیانندیو! مسلمانوں کے حسن سلوک کا یہی بدلہ تمہارے ویدک دھرم میں لکھا ہے کہ جو تم پر احسان کرے تم اس کو دل و جان سے اپنا دشمن سمجھکر اس کی ہر موقعہ پر بیخکنی اور ایذا رسانی کے درپے رہو اور کبھی زبان سے یا ہاتھ سے یا ہر طرح سے اس کی دل آزاری اور ظلم رسانی میں دقیقہ نہ اٹھا رکھو؟ اگلے باب میں اپنے محسن کش سوامی کے وہ کرتوت ملاحظہ کرو جو شمشیر زبان کے جوہر دکھاتے ہوئے تمام مذاہب کے پیشواؤں کی عموماً اور مسلمانوں کے انبیاء کی خصوصاً توہین کر کے اپنی فطرت اور اصلیت کا پردہ کھولا ہے۔

باب ہشتم

تعصب کا پتلا

ناظرین! گذشتہ بابوں سے بانی آریہ سماج کی مختلف رنگتیں آپ نے ملاحظہ فرمائی ہیں۔

اور مسلمانوں نے جو حسن سلوک اور احسان اس بادیہ پیما انیسویں صدی کے آریہ ریفارمر کے ساتھ کیا او سکا ہی مختصر حال معہ اعتراف اخبار پرکاش باب ہفتم میں نقل ہو چکا ہے۔ اسکے مقابلہ میں اس خطابی مہرشی کا تعصب جو مسلمانوں اور اسلام سے اُس کو تھا نہایت اختصار سے پیش کرتا ہوں ؛

دیانند صاحب پر اقبالی ڈگری

ستیارتھ پرکاش کے بارہویں باب کے دفعہ ۱۰۴ میں سنیاسی جی ایک عمدہ بات بھولکر لکھ گئے ہیں۔ جو اُن کے خلاف اقبالی ڈگری صادر کرنے کو کافی ہے آپ فرماتے ہیں۔

"دوسرے مذہب والوں کے دیوتاؤں (بزرگوں پیشواؤں) کو جھوٹا کہنا۔ اور اپنے دیوتاؤں کو سچا کہنا محض تعصب کی بات ہے۔" ص ۵۰۵

اس غیر متعصب دیوتا کی ہمیں اس قول کے مطابق جانچ کرنی ہے کہ وہ اپنے اس قول کا کس حد تک پابند نظر آتا ہے۔ اور وہ دوسرے مذاہب کے پیشواؤں اور بزرگوں کو کہیں جھوٹا کہہ کر اپنے خلاف اپنا ہی فتوے تو نہیں لگا لیتا۔ اس جانچ پڑتال کے لئے ہم ناظرین کو عموماً اور دیانندیوں کو خصوصاً ستیارتھ پرکاش کے چار بابوں گیارہویں سے لیکر چودہویں تک کے سرسری مطالعہ کی تکلیف دیتے ہیں تاکہ ہمارے اس دعوٰی کا کافی سے زیادہ ثبوت مل جائے کہ سوامی دیانند جی مہاراج واقعی تعصب کے مجسم پُتلے تھے اور ان سے بڑھ کر متعصب انسان تلاش کرنا بے سود ہے۔ اس باب میں حسب گنجائش ہم ایک ایک نمونہ ان کے تعصب کا پیش کرتے ہیں۔ مفصل ستیارتھ پرکاش کو دیکھو۔

اپنے ہندو بھائیوں سے تعصب

ستیارتھ پرکاش باب ۱۲ دفعہ ۹ فقرہ ۷ میں ہندوؤں کے ایک بڑے مہاتما پنڈت مہیدھر جیسے بزرگ عالم دیوتا کو جس کی عزت ان کے دلوں میں سوامی دیانند کی اُس عزت سے کہیں زیادہ ہے جو آریہ کرتے ہیں لکھا ہے کہ

(۱) "مہیدھر وغیرہ شارحان وید بھانڈ۔ دھورت (مکار) اور نشاچر (راکشس) تھے ان کی مکاری ہے ویدوں کا قصور نہیں۔ بدکردار دام مارگیوں کی بے ثبوت

شرحوں کو دیکھ کر ویدوں کے مخالف بن گئے ہیں" ص ۵۴۳

پھر جین مذہب والوں کی اسطرح تعریف کرتے ہیں۔

(۲) "جو جینیوں کے سادھو۔ گرہستی اور تیرتھنکر جن میں بہت سے بیسوا گامی (رنڈی باز) اور زانی چور وغیرہ تھے۔ وہ سب لوگ تو سورگ اور مکتی کو گئے۔ یہہ کتنی بُری بات ہے" (ص ۵۹۰ دفعہ ۱۳۱)

ہندوؤں کے برہمنوں کے متعلق جن کو ہندو اپنا پیشوا اور بزرگ دیوتا سمجھتے ہیں سوامی جی فرماتے ہیں۔

(۳) "جب بڑے بڑے عالم راجہ مہاراجہ رشی مہرشی لوگ مہابھارت کے جنگ میں مارے گئے۔ برہمنوں نے سوچا کہ اپنی روزی کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ تب کشتری وغیرہ کو اپدیش کرنے لگے کہ ہم ہی تمہارے معبود ہیں جو جو دھرم پر چلنے والوں کا نام برہمن وید اور شاستروں میں لکھا تھا اُن کو اپنے بے وقوف۔ نفس پرست۔ فریبی۔ عیاش۔ ادہرمیوں پر گھٹا بیٹھے جب کشتری وغیرہ درن آنکھ کے اندھے اور گانٹھ کے پورے ایسے ایسے چیلے ملے تو پھر ان فضول برہمن نام والوں کو (جن میں سوامی جی کے والد انبا شنکر یا کرسن جی لال جی یا سیج ہری برہمن بھی داخل ہیں۔ فاروق) **عیش و عشرت کا باغ مل گیا**" (باب ۱۱ دفعہ ۱۱)

کبیر بھگت کی گت

آریوں کا متعصب گورو کبیر صاحب (جو کہ کبیر پنتھ کے بڑے پیشوا گذرے ہیں) کی نسبت اپنے تعصب کا اس طرح اظہار کرتا ہے۔ کہ "کوئی جلاہا کاشی میں رہتا تھا۔ اس کے بال بچے نہیں تھے ایک دن رات کو ایک کوچہ میں جا رہا تھا تو دیکھا کہ سڑک کے کنارے پر ایک ٹوکری میں پھولوں کے بیچ میں اُسی رات کا پیدا شدہ بچہ تھا۔ وہ اُس کو اوٹھا لے گیا اور اپنی عورت کو دیا۔ اوسنے پرورش کی۔ جب وہ بڑا ہوا تو جلاہے کا کام کرتا تھا کسی پنڈت کے پاس سنسکرت پڑھنے گیا۔ اس پنڈت نے اس کی بے عزتی کی کہ ہم جلاہے کو نہیں پڑھاتے۔ تب اوٹ پٹانگ بھاشا بنا کر جولاہے وغیرہ نیچ لوگوں کو سمجھانے لگا۔ تب جاہل لوگ اس کے

دام میں پھنس گئے جب مرگیا تو لوگوں نے اس کو صاحب قدرت بنالیا" (باب ۱۱ دفعہ ۹۷)

گورونانک صاحب کے متعلق

سکھوں کے سب سے بڑے گورو بابا نانک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت جن کی عزت ہندو مسلمان سکھ وغیرہ سب مذہب والے کرتے ہیں۔ آریوں کا مہرشی فرماتا ہے کہ

"نانک جی کا مدعا تو اچھا تھا لیکن علمیت کچھ بھی نہ تھی۔ چاہتے تھے کہ میں سنسکرت میں بھی قدم رکھوں۔ یہ بات اپنی بڑائی عزت اور اپنی شہرت کی خواہش کے بغیر کبھی نہ کرتے ان کو اپنی شہرت کی خواہش ضرور تھی جب کچھ خود پسندی تھی تو عزت و شہرت کیلئے کچھ دمبھ (مکر و فریب) بھی کیا ہوگا لیکن جو چار ویدوں کو گاتی ہے اس کی سب باتیں کہانی ہیں۔ اگر جاہلوں کا نام سنت ہوتا ہے۔ تو وے بیچارے ویدوں کی عظمت کبھی نہیں جان سکتے۔ اگر نانک جی ویدوں ہی کی تعظیم کرتے تو ان کا فرقہ کبھی نہ چلتا نہ وہ گورو بن سکتے تھے" (باب ۱۱ دفعہ ۹۸)

کیوں دیانندیو! دوسرے مذہب کے دیوتاؤں کو جھوٹا اور مکار کہکر تمہارے شیریں زبان اور مہذب ناصح نے اپنے متعصب ہونے پر خود شہادت دیدی یا نہیں؟ آگے ذرا عیسائیوں اور مسلمانوں کے حق میں جن کے تاحیات زیر بار احسان رہا اس کے شیریں اور مہذب کلام ملاحظہ کرو۔ سب سے بڑھکر اس کینہ ور سیاہ دل مصلح کو اسلام سے عداوت اور مسلمانوں سے تعصب تھا جس کو وہ کسی طرح بھی ضبط نہ کرسکتا۔ محل بے محل اسلام پر عامیانہ جاہلانہ حملہ کر بیٹھتا تھا۔ چنانچہ اس کی ایک دو مثالیں ہم دیانند کی لائف سے نقل کرتے ہیں۔

دانا پور میں جب نومبر ۱۸۷۹ء کو یہ شیریں کلام ناصح پہونچا تو وہاں گلاب چند نامی ایک شخص نے کہا کہ مہاراج آپ مسلمانوں کے خلاف کچھ نہ کہیں اس کو تو آپ نے کوئی جواب اچھا یا برا نہیں دیا۔ مگر جب ویاکھیان شروع ہوا تو دین اسلام کا خوب کھنڈن (رد) کیا اور کہا کہ چند چھوکروں کے چھوکرے ہمکو منع کرتے ہیں۔ مگر میں سچ کو کیوں چھپاؤں مسلمانوں کی جب چلتی تھی تب ہم لوگوں کا تلوار سے کھنڈن کیا (جسکا کوئی ثبوت آریہ سماج کے اگلوں اور پچھلوں کے پاس بھی نہیں۔ فاروق) اب کیا اندھیر ہے کہ وہ مجھے باتوں سے کھنڈن کرتے

ہیں یعنی (دل کا بخار اور جگر کی سوزش نہیں نکلنے دیتے۔ فاروق) رکاوٹ ڈالتے ہیں" (صفحہ ۴۹۵ دیانند لائف کلاں)

آریہ مت کا گرامی سوامی مسلمانوں کے تلوار کے کھنڈن کے بدلہ میں شمشیر زبان سے انکے دلوں کو زخمی کرنیکی کوشش کرتا ہے۔ اسلام کے خلاف لیکچر دیتے میں سوائے مسلمانوں کی دل آزاری کے اسکی کوئی دوسری غرض نہ تھی کیونکہ مذہب اسلام سے اس ناخواندہ مہرشی کو قطعاً واقفیت نہ تھی۔ جیسا کہ لیکھرام مقتول نے اسی لائف میں لدھیانہ کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہاں کے بعض اہل اسلام نے دیانند سرستی سے مباحثہ کی درخواست کی مگر انھوں نے منظور نہیں کی۔ شاید بوجہ عدم واقفیت مسائل اہل اسلام اور نہ سمجھنے زبان کے منظور نہ کی۔ مناسب ہے کہ پنڈت صاحب مسائل اہل اسلام و دین عیسوی سے آگاہی پیدا کریں"

(جیون چرتر کلاں صفحہ ۴۹۶ منقول از نور افشان مورخہ ۱۹ اپریل ۱۸۷۷ء) غرضکہ اسلام کے رد کا نام رکھکر اور تلوار کا کھنڈن یاد کر کے مسلمانوں کو گالی گلوچ سے یاد کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا اور نہ کسی نیک طینت انسان کے سمجھانے پر باز آتا تھا۔ اگرچہ ایک بندۂ نفس واعظ کے ایسے سوقیانہ حملے اسلام کی عالمگیر روشنی کو ڈھانپ نہیں سکتے لیکن اس خطابی مہرشی کی دیدہ دلیری پر تعجب ہے کہ وہ باایں ہمہ اپنے متعصب ہونیکا اقرار نہیں کرتا۔ جیسا کہ ستیارتھ پرکاش کے بارہویں باب کی دفعہ ۹۵ میں جینیوں کی نسبت لکھا ہے کہ "جینیوں کے سوائے اور کون ہونگے جو ان کے برابر متعصب۔ ہٹ دھرمی۔ ضدی اور علم سے بے بہرہ ہوں" (صفحہ ۵۷۱) بعینہ یہ فقرہ ایک تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اگر بجائے جینیوں کے "دیانند" لکھ کر اسطرح کہا جائے کہ "دیانند کے سوا اور کون ہونگے جو ان کے برابر متعصب ہٹ دھرمی ضدی اور علم سے بے بہرہ ہوں" تو نہایت موزون اور بالکل حق بحقدار رسید کا مصداق ہوگا۔ مسلمانوں اور اسلام سے اسکی دشمنی۔ عداوت اور اندرونی تعصب کی ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمائیے:-

مسلمانوں سے بُغض اور عداوت

اگست ۱۸۹۱ء میں یہ پُرغضب سنیاسی ریاست رائے پور میں پہونچا وہاں کے ٹھاکر ہری سنگھ رئیس مُلاقات کو معہ اپنے مدارالمہام کریم بخش صاحب کے آئے تو مزاج پُرسی کے بعد اس کینہ توز مہرشی نے جو پہلی بات کی وہ یہ تھی کہ "آپکے ہاں راج منتری (مدارالمہام ریاست) کون ہیں۔ ٹھاکر صاحب نے اُتر (جواب) دیا کہ شیخ الٰہی بخش ہیں مگر وہ جودھپور گئے ہیں۔ اونکے بھتیجے کریم بخش جی آپکے پیچھے کام کرتے ہیں اور بتلایا کہ وہ (سامنے) بیٹھے ہیں۔ تب مہاراج (کا پارہ تعصب اور دلی غضب جو اسلام اور مسلمانوں سے انکو تھا۔ آخری ڈگری پر پہنچ گیا۔ فاروق) اور کہا کہ آپ کے یہاں مسلمان منتری ہیں؟ اوہو یہ تو داسی پتر (لونڈی زادہ) ہیں آریہ پرشوں کو لازم ہے کہ یونوں (کمینوں) کو اپنا راج منتری نہ بناویں۔ ایسا کہنے سے کریم بخش اور ۵-۷ مسلمان جو وہاں موجود تھے غصہ میں آکر گڑگڑانے لگے۔ اور ٹھاکر صاحب بھی سوامی جی سے اجازت لیکر اپنے راج محلوں میں چلے گئے" (جیون چرتر مرتبہ لیکھرام صفحہ ۵۴۷)

اس کے بعد آیندہ صفحہ پر یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ واقع میں کل مسلمان حضرت ہاجرہؑ کی اولاد ہونے کے سبب لونڈی زادہ ہیں۔ لیکن ہم ایسے بے علم مُنہ زور بدلگام سنیاسی کی شیرین بیانی اور مہذب کلامی کی جوابدہی میں اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے نہ یہ کتاب کوئی مناظرہ کی کتاب ہے۔ ہندوستان کے اندر لاکھوں مسلمان ایسے ہیں۔ جو ہیں کے چھتریوں اور برہمنوں کی نسل سے ہیں اور ہم مُسلمان ہونے کے سبب انکی ویسی ہی عزت کرتے ہیں۔ جیسی عربی نسل ہندوستان میں آئے ہوئے مسلمانوں کی۔ شیخ کریم بخش صاحب مدارالمہام کی نسبت اس مُنہ پھٹ سوامی نے یہ بھی نہیں جانا کہ وہ آریہ ورت کے نومسلم لوگوں کی نسل سے ہیں یا عرب کے دیس سے آئے ہوئے مسلمانوں کے فرزند مگر اپنی بد فطرتی سے ہمیشہ کی عادت کے مطابق مسلمانوں پر لونڈی زادے ہونیکا حکم لگادیا حالانکہ تاریخی دُنیا میں اس مجہول الحال والاسم سادھو کی ولدیت تک کا پتہ نہیں ہے۔ کوئی اسکو کا بڑی (دکھنی) بتاتا ہے۔ اور کوئی کچھ

راز ظاہر کرتا ہے جیسا کہ باب اوّل سے ناظرین معلوم کر چکے ہیں۔ ایسا شخص بھی مُنہ رکھتا ہے کہ وہ کسی پر لونڈی زادہ ہونیکا اعتراض کر سکے۔

ناظرین! ٹھاکر صاحب نے سوامی جی کو جتلا بھی دیا تھا کہ کریم بخش صاحب "وہ بیٹھے ہیں"۔ اور شاید اس لئے کہ بدزبان سنیاسی کچھ بکواس نہ کر بیٹھے اوسپر شیخ جی کی موجودگی ظاہر کردی کہ تا بدگوئی سے باز رہے۔ لیکن دل خراش دِل آزار سیاہ باطن متعصب مہرشی کب چوکتا تھا مُنہ پر نہ انکو بلکہ سب مسلمانوں کو گالی دی جس کو ایک ہندو مگر غیرت دار رئیس نے بھی خوشی کے ساتھ سننا گوارا نہیں کیا۔ اور اپنے راج محلوں میں چلے گئے عیاذاً باللہ کیا تہذیب ہے اور کیا شرافت اخلاق اور اسپر یہ دعوٰی تھا کہ "ناصح ہمیشہ شیرین اور مہذب کلام بولیں"۔

عیسائیوں اور اسلام کے خلاف بانی آریہ سماج کی جسقدر دریدہ دہنی دیکھنے میں آئی ہے۔ وہ احاطۂ بیان سے باہر ہے۔ آریہ سماجیوں کو غیر مذاہب کی نسبت عموماً اور مسلمانوں کے حق میں خصوصاً اور احمدیوں کے بارے میں بالخصوص یہ شکایت ہے کہ وہ سختی کرتے ہیں۔ دیانند اور اس کی جماعت کو گالیاں دیتے ہیں مگر ایک بھی گالی ایسی نہیں بتاتے جو واقعی گالی کہلاتی ہو۔ افسوس ہے کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکا ان کو نظر آتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دکھائی دیتا۔ باوجودیکہ دیانند صاحب ستیارتھ پرکاش کے بارہویں باب کے دیباچہ کے آخر میں لکھنے کو تو یہ لکھ جاتے ہیں۔ کہ "بلاشبہ بہت سے آدمی ایسے ہیں جن کو اپنے عیب تو دکھائی نہیں دیتے مگر دوسروں کی عیب جوئی میں از حد کربستہ رہتے ہیں۔ یہ انصاف نہیں ہے کیونکہ اوّل انسان اپنے عیبوں کو دیکھ کر دور کرلیوے۔ تب دوسرے شخص کے عیبوں پر نظر ڈالے"۔ صفحہ ۵۲۶ مگر اپنا عمل اسکے خلاف رکھتے ہیں۔ ستیارتھ پرکاش کا تیرھواں باب عیسائیوں کے رد میں ہے۔ اوسمیں سے چند شیرین اور مہذب کلام سوامی جی کے یہاں نقل کرکے آریوں سے پوچھتا ہوں کہ یہ تو گالی نہیں؟

عیسائیوں کے خدا کی نسبت

"جو لعنت شیطان پر پڑی ہے یہ لعنت خدا پر ہونی چاہیئے تھی کیونکہ اس نے جھوٹ بولا اور ان کو بہکایا" ص۶۲۲ عیسائیوں کا خدا مثل قصاب کے ہے۔ گنہگار ہے۔ ص۶۲۴۔ مثل پرندہ کے ہے شعبدہ باز ہے۔ ص۶۲۵ جنگلی آدمیوں کے ایک گروہ کے سردار کا نام بائبل نے خدا رکھا ہے۔ سرہ عیسائیوں کے خدا کی عنایت سے حاملہ ہوئی۔ بائبل کا خدا محدود العقل ہے ص۶۲۷۔ واہ عیسائیوں کے خدا تو عجیب ڈاکٹر ہے عورتوں کے رحم کھولنے کو کون سے اوزار اور دوائیاں رکھتا تھا کہ جن سے رحم کو کھولا ص۶۳۳۔ عیسائیوں کا خدا اکھاڑے کا پہلوان ہے۔ ص۶۳۱ عیسائیوں کا خدا پہاڑی آدمی تھا ص۶۳۵ وحشی آدمی کے مانند بہروپیہ خدا ص۶۳۶۔ اگر شیطان کا پیدا کرنے والا اور بہکانے والا خدا ہے تو وہی شیطان کا شیطان عیسائیوں کا خدا ٹھہرا جنہوں نے انجیل کو الہامی اور عیسےٰ کو خدا کا بیٹا بنایا وہ شیطان ہیں۔ ص۶۵۶ عیسائیوں کے خدا کا منہ کیسا ہے یورپین کا سا گورا یا افریقہ والوں کا سا سیاہ یا کسی اور ملک کے باشندوں کے مانند ص۶۴۸۔

عیسائیوں کے انبیاء کی نسبت

"موسےٰ کا چال چلن غصہ وغیرہ بد صفات سے پُر ہے۔ چور کی مانند بدکار سزا سے گریز کرنے والا تھا اور ٹھگ بھی ضرور ہوگا معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے تمام ہادیان مذہب موسےٰ سے لیکر اخیر تک سب جنگلی حالت میں تھے۔ تعلیم یافتہ بالکل نہ تھے" ص۶۳۲ موسےٰ زنا کار تھا کیونکہ اگر زنا کار نہ ہوتا تو کنواری لڑکیوں کو اپنے لئے کیوں منگواتا ص۶۳۵ یہ بات اس طرح پر ہوئی ہوگی کہ کسی آدمی کے ساتھ صحبت کرنے سے مریم حاملہ ہوگئی ہوگی۔ اس نے یا کسی دوسرے نے ایسی ناممکن بات مشہور کر دی کہ اسکا حمل روح القدس کی طرف سے ہے۔ ص۶۴۱ چونکہ عیسیٰ بڑھئی کے گھر پیدا ہوا تھا ہمیشہ لکڑی چیرنے جوڑنے کا کام کرتا رہا ہوگا۔ اُسے اس جنگلی ملک میں جب پیغمبر بننے کا شوق پیدا ہوا تب ایسی باتیں بنانے لگا ص۶۴۹ عیسےٰ سادہ بے علم آدمی تھا نہ کہ عالم اور صاحب قدرت ص۶۵۱ عیسیٰ اس زمانہ کے جنگلی لوگوں میں کچھ چالاک تھا نہ وہ کراماتی نہ خدا کا بیٹا نہ ہی عالم تھا ص۶۵۴ عیسیٰ فریبی تھا ص۶۵۷

یہ چند پھول سوامی جی کی ارتھی سے چن کر یہاں پیش کئے ہیں۔ دیکھو ان میں سے ایک بھی گالی نہیں۔ کوئی بدکلامی نہیں۔ تمام شیریں اور مہذب ناصحانہ کلام ہے۔ کیوں دیانندیو! میں ٹھیک کہتا ہوں یا غلط؟ آگے بد انجام ناصح کا وہ مہذب کلام ملاحظہ فرمایئے جو اسلام کے حق میں اس نے بکواس کی ہے۔ اسلام کے متعلق ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب ہے۔ اور جس درندگی اور بدزبانی سے اس لنگوٹ بند سادھو نے خدائے اسلام کتاب اسلام انبیاء اسلام کا ذکر کیا ہے اسکا تھوڑا سا نمونہ ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

اسلام کا خدا

"شیطان سے بڑھ کر شیطنت کا کام کرتا ہے ص۶۷۴ اسلام کا خدا بھی عورتوں میں غلطان ہے ص۶۷۵ شیطان نے خدا کے بھی چھکے چھڑا دیئے" ص۶۷۶ مسلمانوں کا خدا عورتوں کا دلدادہ بے انصاف اور بے سمجھ ہے ص۶۸۸ یہ قرآن اور قرآن کا خدا اور مسلمان لوگ محض تعصب جہالت سے پُر ہیں اور مسلمان لوگ تاریکی میں ہیں۔ ص۶۸۹ قرآن کا خدا اور پیغمبر دونوں لڑائی باز تھے ص۶۹۱ خدا اور شیطان میں کیا فرق ہے سوا اتنا کہ خدا بڑا شیطان اور وہ چھوٹا شیطان۔ ص۶۹۳۔ مسلمانوں کا خدا دھوکہ باز ہے تو اسکے معتقد دھوکے باز کیوں نہ ہوں۔ ص۶۹۴ مسلمانوں کا خدا شیطان کا کام کرتا ہے۔ ص۶۹۵ شیطان کا بھی شیطان خدا ہے ص۶۹۶ مسلمانوں کا خدا ادھرمی ہے ص۶۹۷ قرآن پاگلوں کی بکواس ہے۔ مسلمانوں کا خدا نادان سے کم نہیں ص۶۹۸ اسلام بے بنیاد اور نامعقول مذہب ہے۔ ص۷۰۱ قرآن کا خدا جاہل مطلق ہے ص۷۰۴ قرآن کے خدا کو دوزخ ملنا چاہیئے۔ ص۷۰۵ خدا شیطان کا بھی شیطان بڑا بھائی اُستاد ہے ص۷۰۶ قرآن کے معتقد بے علم ہیں اگر صاحب علم ہوتے تو ایسی جھوٹی باتوں سے پُر کتاب کو کیوں مانتے۔ ایسی کتاب کو وحشی لوگ ہی مان سکتے ہیں۔ ص۷۰۹ قرآن کسی گمراہ کی بنائی ہوئی کتاب ہے۔ ص۷۱۱ مسلمان اور مسلمانوں کا خدا بڑے بُت پرست اور پُجاری (ہندو) اور جینی چھوٹے بُت پرست ص۷۱۲ واہ جی واہ مسلمانوں کا خدا شعبدہ بازوں کی طرح کھیل کرتا ہے۔ ص۶۸۷ شعبدہ بازی کی جھلک دکھلا کر جنگلی بیوقوفوں کو قابو کرکے آپ جنگلیوں کا خدا بن بیٹھا ہے۔ ص۷۱۵ قرآن کا خدا آسمان پر تنگ مکان میں بیٹھا ہے ص۷۱۶

قرآن اور قرآن کا خدا اور اس کے ماننے والے گناہ بڑھانے والے اور گناہ کرانے والے ہیں اسواسطے مسلمان لوگ گناہ اور فساد کرنیسے کم ڈرتے ہیں۔ ص ۲۵۔ قرآن کا خدا مسلمانوں کا بہشت یعنی قاضی نکاح کرانیوالا ہے ص ۲۵۔ یہ قرآن۔ خدا اور مسلمان غدر مچانے سب کو تکلیف دینے اور اپنا مطلب نکالنے والے ظالم ہیں ص ۲۵۔ خدا کیا ہوا محمد صاحب کے گھر کا اندرونی اور بیرونی انتظام کرنیوالا ملازم ٹھہرا ص ۳۰۔ خدا کیا ٹھیرا گویا محمد صاحب کے لئے بیویاں لانیوالا نائی ٹھیرا ص ۳۱۔ یہ سب سے بڑا فعل جو لڑکوں کے ساتھ بدمعاشی کا کرنا ہے اسکی بُنیاد یہی قرآن کا قول ہے کہ بہشت میں لڑکے بیٹھینگے ص ۴۳۔

آنحضرت صلعم کی نسبت

"محمد صاحب کی نیت صاف نہیں تھی ص ۶۸۹ تعجب ہے جو لوٹ مچاویں۔ ڈاکو کے کام کریں ص ۶۹۸ یہ قرآن خدا کا بنایا ہوا نہیں کسی مکار فریبی کا بنایا ہوا ہے۔ اس قسم کی تعلیم جاہل اور ادھرمیوں کی ہوسکتی ہے۔ ص ۶۹۹ محمد صاحب نے گوکلے گوساٹھیوں کی ہمسری کرلی ص ۲۰۔ وحشی لوگوں نے یہ قرآن بنایا ہے ص ۲۰۔ ثابت ہوتا ہے کہ محمد صاحب بڑے شہوت پرست تھے۔

اگر نہ ہوتے تو بیٹے کی جورو کو اپنی جورو کیوں بناتے انسانوں میں وحشی سے وحشی انسان بھی بیٹے کی جورو کو چھوڑ دیتا ہے اور یہ کیسا سخت غضب ہے کہ نبی کو شہوت رانی میں کچھ بھی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ جب نبی کسی کا باپ نہ تھا تو زید (لے پالک) بیٹا کس کا تھا۔ جب بیٹے کی جورو کو بھی گھر میں ڈالنے سے پیغمبر صاحب نہ رُک سکے تو اوروں سے کیونکر بچے ہونگے یہ ایسی چالاکی سے بھی بُری بات کرنیوالے کی بدنامی رُک نہیں سکتی۔ ص ۲۱۹۔

واہ غدر مچانے والے خدا اور نبی تم سے تو بے رحم دُنیا میں بہت تھوڑے ہونگے۔ واہ کیسے موذی پیغمبر ہیں کہ خدا سے دوسروں کو دوگنا دُکھ دینے کی دُعا مانگتے ہیں ان سے انکی خودغرضی اور سخت ظلم کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں میں سے بہت سے بے وقوف ایسا ہی عمل کرنیسے نہیں ڈرتے۔ تعلیم کے بغیر انسان حیوان کے برابر رہتا ہے ص ۲۳ اگر نبی خدا کا بھیجا ہوا ہوتا تو بیٹے کی جورو پر فریفتہ کیوں ہوتا۔ سو نہ قرآن میں نہ مسلمانوں میں نہ ان کے خدا میں نیک عادات ہیں ص ۲۱ محمد صاحب کا چال چلن

ان باتوں سے ظاہر ہے کیونکہ جو کئی عورتوں کو رکھے وہ خدا کا عابد یا پیغمبر کیونکر ہوسکتا ہے۔ اور جو کئی عورتوں سے بھی سیری نہ پاکر کنیزکوں کے ساتھ پھنسے اس کے نزدیک شرم۔ خوف اور دھرم کیونکر پہنچ سکتا ہے جو زانی آدمی ہیں اُن کو گناہ سے ڈر یا شرم نہیں ہوتی ص ۳۱۔

پیارے ناظرین! یہ مختصر سی فہرست اُنیسویں صدی کے آریہ ریفارمر اور ناصح و مصلح قوم کی شیریں زبانی اور شائستہ کلامی کی بینے پیش کی ہے۔ دیکھو اس بدلگام مُنہ پھٹ سادھو نے کسطرح اور کن الفاظ میں عیسائی مذہب اور اسلام کے خلاف زہر اُگلا ہے۔ جن کے ماننے والے دنیا میں اربوں انسان ہیں۔ اس بدقسمت سنیاسی نے ذرا نہ سوچا کہ میں باوجود جاہل مطلق ہونے کے ایسے مذہب پر خامہ فرسائی کرتا ہوں جو دُنیا میں زندہ اور فیض رساں مذاہب ہے۔ اور اپنے اس اصول کو بھول جاتا ہوں۔ جو ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کی دفعہ ۳۷ میں لکھ کر اپنے ہاتھ کٹوا چکا ہوں اور وہ اصول یہ ہے کہ

"جو مذہب دوسرے مذہبوں کو جن کے ہزاروں کروڑوں آدمی معتقد ہوں جھوٹا بتلاوے اور اپنے (مذہب) کو سچا ظاہر کرے اس سے بڑھکر **جھوٹا اور کون مذہب ہوسکتا ہے"** ص ۶۹۷

اے دیانند کا دم بھرنے والو! خدا سے نہیں تو لوگوں سے ہی شرما کر سچ کہو کہ تمہارے خودساختہ مہرشی نے اسلام اور عیسائیت کو دل بھر کر گالیاں دی ہیں یا نہیں؟ اور ان مذہبوں کے معتقد دُنیا میں لاکھوں کروڑوں انسان ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں جس سے انکار بجز اندھے کے کوئی نہیں کرسکتا تو بتاؤ کہ تمہارے سوامی نے ایسے مذہبوں کو جھوٹا کہکر جن کے ماننے والے کروڑوں انسان دُنیا میں موجود ہیں اپنے مذہب کو اور اپنے آپ کو سب سے بڑا جھوٹا تسلیم کرلیا یا نہیں؟ دیکھا چاند پر تھوکا کسطرح تمہارے گورو کے حلق میں ہی لوٹ کر پڑا ہے۔ کہو اب بھی تم اس شدھ چیتن یا مُول شنکر کو سب سے بڑا جھوٹا اور تعصب کا پُتلا قرار دوگے یا نہیں؟ اور اوسکا اپنا

قنوتی کہ یہ دوسرے مذہب والوں کے دیوتاؤں (بزرگوں) کو جھوٹا کہنا اور اپنے دیوتاؤں کو سچا کہنا محض تعصب کی بات ہے (ص۵۷۵) اس پر لگاؤ گے یا نہیں؟ اگر تم نے اب بھی نہ مانا تو ہم جان لیں گے کہ تم نہایت جھوٹے اور متعصب انسان ہو کر باوجود سچائی کے معلوم ہو جانے کے پھر بھی اندھی تقلید میں جکڑے ہوئے ہو۔ پیارے ناظرین دیکھو یہ ہے اس حسن سلوک کا معاوضہ جو اس محسن کش نا صح کی طرف سے مسلمانوں کو ملا ہے اور اس احسان کا بدلہ جسکا اعتراف گذشتہ باب میں آریہ اخبار پرکاش سے نقل ہو چکا ہے۔

باب نہم

لامذہب گورو

بانی آریہ سماج کا آخری دم تک کوئی مُعیّن مذہب نہیں تھا۔ ضرورت زمانہ کے مطابق جیسی جیسی ضرورت ہندو تعلیم یافتہ پارٹی کو عیسائیوں اور مسلمانوں کی دیکھا دیکھی پیش آتی تھی اور جس سانچہ میں وہ سوامی کو ڈھالنا چاہتے تھے۔ وُہی صورت مہرشی اختیار کر لیتے تھے۔ بوجہ تمام علوم مروّجہ سے بے بہرہ ہونیکے محض مردہ زبان سنسکرت کے جاننے والا کیا ترقی کی راہیں نکال سکتا تھا۔ جنگلوں کا مانس پہاڑی چوٹیوں کا سیاح ایسے علمی زمانہ میں کیونکر ریفارمر بن سکتا تھا۔ یہ سب گورو جماعت یعنی ہندو تعلیم یافتہ پارٹی کا صدقہ ہے جس کی بدولت ایک بے جان ڈھانچہ معجون مرکب سا بنا کر اسکا نام ویدک دھرم رکھ لیا۔ حالانکہ یہ ویدک دھرم جس کو دیانندجی نے بامداد گورو جماعت تصنیف کیا ویدوں سے اتنی ہی مناسبت رکھتا ہے جتنی برہمن

کو گائے کے گوشت سے مناسبت ہے۔

پیارے ناظرین! مذہبی دُنیا میں ہمنے سوامی جی کو جے پور میں شیومت کا طرفدار بنا ہوا چھوڑا تھا جہاں پر وہ اپنے ہاتھ سے رودراکش کی مالائیں ہاتھی گھوڑوں تک پہناتے دکھائی دیتے ہیں۔ راجہ صاحب جے پور کو بھی اسی مت کا پیرو کار بنا کر مہادیو کی پوجا اور لِنگ کی پرستش شروع کرا دی ہے۔ یہہ وہی شیومت تھا جس کی پیروی مہارشی بھاگنے سے پیشتر اپنے گھر میں کیا کرتے تھے۔ اب ویدوں کے پُورے عالم ہو چکنے پر بھی وُہی مورتی پوجا (بت پرستی) اور وہی رنگ ڈھنگ ہیں۔ مگر تھوڑے ہی دنوں بعد پھر جے پور جاتے ہیں تو شیومت کی ہی تردید کرنے لگتے ہیں۔ گویا مذہب بھی ایک طرح کی حجامت ہے جس طرح آٹھویں روز حجام بالوں کی درستی کرتا اور ایک سنیاسی کی ڈاڑھی مونچھ صفا چٹ کر ڈالتا ہے۔ اسیطرح یہ مذہبی حجامت آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ وہ جو رودراکش مالا لوگوں کو پہناتے تھے اور خود بھی پہنتے تھے۔ ص۳۸ مگر کانپور میں جب ایک پنڈت رودراکش کی مالا پہنے ہوئے ملنے آتا ہے۔ تو اس کو سوامی جی فرماتے ہیں۔ کہ "اس گٹھلی کے پہننے سے کیا فائدہ" کوئی دن بڑودہ میں رہتے ہوئے خدا بنے بیٹھے تھے مگر اب ویدانت مت کی ہی تردید ہو رہی ہے وشنومت اور شیومت کا کھنڈن کرتے کرتے ۱۸۷۶ء میں برہم سماج کی خداپرستی پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اور لکھنؤ میں ۳۰ ستمبر ۱۸۷۶ء کو ایک لیکچر دیتے ہیں جس میں برہم سماجیوں اور انکے پیشوا کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ ص۲۵۸ مگر ۱۸۷۸ء میں جا کر برہم سماج کو بھی کوسنے لگتے ہیں۔ اور انکو ویدوں کا نندک (مذمت کرنیوالا) کہہ کر ملک کیلئے تباہ کُن قرار دیتے ہیں۔ اور تھیوسوفیکل سوسائٹی سے سازباز کر لیتے ہیں۔ جس کو وفات کے قریب جا کر ناستک (دہریہ) بتا کر ترک کر دیتے ہیں۔ اسکا ذکر جیون چرتر کلاں کے صفحہ ۸۲۴ سے ۸۵۸ تک تفصیل سے درج ہے۔ یہاں اُسکا اختصار ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

پیارے ناظرین! اس بہرت طلب کی داستان یہ ہیں کہ جن دنوں بمبئی میں برائے نام کوئی آریہ سماج

قائم ہوئی۔ اسی زمانہ میں امریکہ میں ایک تھیاسوفیکل سوسائٹی کی بُنیاد رکھی گئی جس کے کارکنوں کے ساتھ بمبئی کی سماج کے پردہان نے خط وکتابت کی اور وہ چٹھیاں جمع کر کے

امریکن رشی اور آرین مہرشی

پھر سوامی دیانند کے پاس بھیجدیں۔ امریکن چٹھیوں میں تھیاسوفیکل سوسائٹی کی طرف سے یہہ خواہش کی گئی تھی کہ آریہ سماج کو تھیاسوفیکل سبھا کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ جب آرین مہرشی کے پاس امریکن رشی کی دل خوش کُن چٹھیاں پہونچیں تو اس نے نہایت خوش دلی سے نہ صرف آریہ سماجوں کو ہی امریکن رشی کے ساتھ ملا دیا بلکہ خود بھی تھیاسوفیکل سوسائٹی کی ممبری قبول کی۔ چنانچہ آریہ سماجوں کے نام آرین مہرشی نے یہ حکمنامہ ارسال کیا کہ "پرسوں کئی چٹھیاں امریکہ کی آئی ہیں جنمیں ایک داخلہ۔ ایک ڈپلومہ ایک نمونہ ہے۔ نمبر ۲ چٹھی آریہ لوگوں کے نام ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ آریہ سماج تھیاسوفیکل سوسائٹی کے ساتھ لگایا گیا اور اسکا یہہ نام مقرر ہوا ہے۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی آف آریہ سماج آف دی انڈیا۔ اور یہاں یہ نام رکھا جاوے آریہ ورتی آریہ سماج آف تھیوسوفیکل سوسائٹی۔ اور مُہر بھی سماج کی کھُدوانی چاہیئے۔ اور اچھے ہوشیار منتری اور پردہان لکھکر ڈپلومہ میں لکھنا چاہیئے۔ ۵ ہزار برس کے بعد امریکہ سے سمبندہ (تعلق) ہوا ہے اس کو غنیمت سمجھو۔ شکر ہے اور خوب کوشش کرو۔ دیانند سرستی ۹ر جولائی ۱۸۷۸ء" (امرت سر ۱۸۸ ص ۸۲۵) اس امریکن سوسائٹی کے جو قواعد داخلہ تھے وہ بھی اوسنے بھیجے جن میں سے ایک دو کا اختصار ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

(۱) اوّل درجہ اعلیٰ فریق میں داخل ہونے کے لئے یہہ ضرور ہے کہ خدا پرست (ممبر) اسبابت سے آزاد ہو کر کسی ایک طرز مذہب کیطرف کسی قسم کا میلان بترجیح دوسرے طرز مذہب کے کرے۔

(۲) وہ اپنے بھائی ممبر کی بھلائی کیلئے خواہ وہ کسی نسل یا رنگ یا ظاہری مذہب کا کیوں نہ ہو اگر ضرورت پڑے تو اپنی زندگی نثار کرنے کیلئے مستعد ہو۔ اس کے ممبر زمانہ قدیم کے فرقہ کی نادر تعلیمات کے علم کو جو قدیم

ویدوں میں اور گوتم بُدھ اور زرتشت اور کنفیوشیس کے فلسفہ میں چمکتا ہے پھیلادیں (تکذیب جرنز کلاں ص ۸۲۶)

آریو! ان قواعد اور مقاصد کو خوب پڑھ لو۔ اسمیں پہلی شرط تو یہ ہے کہ تھیاسوفیکل کے ممبر کو لازمی ہے کہ وہ کسی خاص مذہب کی طرف جھُکا ہُوا نہ ہو۔ گویا بالفاظ دیگر لامذہب ہو۔ دوسری شرط یہہ ہے کہ اسمیں ہر مذہب کا پیرو رہ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ قواعد داخلہ کی پابندی رکھے۔ (ص ۸۳۷) اور تیسرا مقصد یہہ کہ بُدھ اور زرتشت اور کنفیوشیس کی تعلیمات کو بھی پھیلاوے۔ یہہ سب کچھ دیکھ سُنکر سوچ سمجھکر آرین مہرشی نے تھیاسوفیکل سوسائٹی کے ڈپلومہ پر دستخط کئے ہیں اور آریہ سماج میں تھیاسوفیکل کا پیوند یا تھیاسوفیکل کے درخت میں آریہ سماج کا قلم لگاکر ۲۹ر مئی ۱۸۷۸ء کو امریکہ سے خوشنودی کا حسب ذیل پروانہ ہریش چندر پردہان آریہ سماج بمبئی کے ذریعہ حاصل کرتا ہے کہ "ہم آج سوامی دیانند سرستی کی چٹھی بجواب اپنی ضابطہ کی چٹھی کے پانے سے بہت خوش ہوئے۔ ہماری بڑی عزت صرف اس بات سے ہی نہ ہوئی کہ انہوں (سوامی جی) نے ہمارے ڈپلومہ کو منظور کر لیا۔ بلکہ اس بات سے بھی ہوئی کہ اُنھوں نے اپنی رائے کو ہمارے پاس مہربانی کے لفظوں میں ظاہر کر کے بھیجا۔ میں آپ سے بخوبی اس خوشی کا جو کہ ہمارے اور آریہ سماج کے درمیان بھائی چارہ ہو جانیسے ہوئی بیان نہیں کر سکتا۔ ایچ ایس الکاٹ نیویارک ۲۹ر مئی ۱۸۷۸ء" (ص ۸۲۹) اب کیا تھا تھیاسوفیکل سوسائٹی امریکہ اور آریہ سماج انڈیا کا بھائی چارہ ہو کر وہ معجون مرکب تیار ہوا جس کا نام بھی بدلا گیا۔ مُہر بنوانے کا بھی حکم صادر ہو گیا۔ ڈپلومہ بھی منظور کر لیا۔ صرف امریکن پردہان کو رشی کا خطاب اب ملنا رہ گیا ہے۔ تاکہ حرف دوئی درمیان سے اُٹھ کر ؎

من تو شدم تو من شدی من جان شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کا نقشہ نظر آجائے سو آریہ سماج کی طرف سے اس گھریلو خطاب کا دیا جانا کیا مشکل تھا ضرورت بھی تھی کہ ایک مہرشی تو ہو مگر رشی کوئی نہ ہو جس سے مہرشی کی فضیلت ثابت

ہو سکے۔ لہٰذا "ودیا پرکاشک" آریہ رسالہ نے فوراً لکھ مارا کہ "امریکہ کے رشی عرصہ دو ماہ سے معہ آریہ سماج کے ممبر باشندگان امریکہ کچھ مدت بمبئی میں رہکر اب ڈیرہ دون سوامی دیانند سرسوتی جی کے درشنوں کو آئے ہیں۔ جن صاحبوں نے اُن کے درشن کرنے ہوں وہ ڈیرہ دون جا سکتے ہیں۔ پھر ممبر آریہ سماج امرتسر اور لاہور آ دیکھے درشنوں کو جائینگے" (ص۸۳۳)۔ دیانندیو! شرم تو نہ کرو گے کہ مہرشی کا خطاب دینے میں تمنے کتنی جلدی کی کیونکہ وہ وقت قریب ہی ہے۔ کہ آپ اسی رشی کو ناستک کا خطاب دینے والے ہیں۔ مگر ناستک بنانے سے پہلے اس رشی کے متعلق کچھ اور بھی شہادتیں سُن لو اور شہادتیں بھی مہرشی کی نہ کسی ایرے غیرے کی۔

امریکن رشی سے مہرشی کی ملاقات

یکم مئی ۱۸۸۰ء کو سہارنپور میں کرنیل الکاٹ امریکن رشی معہ بلیوسکی میڈم صاحبہ کے جن کے خطوط امریکہ سے آتے ہوئے تھے انڈین مہرشی سے پہلی دفعہ ملے جن کے اوصاف حمیدہ کا ذکر آرین مہرشی نے سکرٹری آریہ سماج شاہجہانپور کو بذریعہ اپنی چھٹی مطبوعہ ۸ مئی ۱۸۷۹ء کے اس طرح فرمایا "معلوم ہوا کہ جیسے اُن کے پتروں (خطوط) سے انکی بُدھی (عقل) پرگٹ (ظاہر) ہوتی ہے۔ انکے ملنے سے سوگنی ادہک (زیادہ) لیاقت ظاہر ہوئی۔ امریکہ والوں نے سب کے چت (خیال) پر نشچے (یقین) کر دیا۔ کہ جتنی بھلائی اور ودیا (علوم) ہیں وے سب ویدوں سے ہی مل سکتے ہیں اور جتنے وید ورودھ (وید کے خلاف) مت (مذہب) ہیں وہ سب پاکھنڈی (مکار جعلساز فریبی) ہیں۔ یہ لوگ تن من دھن سے سب طرح ویدمت (ویدک دھرم) کی سہائتا (تائید) کرنے میں ادویت (مستعد) ہیں۔ ان صاحبوں کے پہلے خطوط اور دن کی بات چیت کرنے سے نشچے ہو گیا ہے کہ انکا تن من دھن ستّ کے پرکاش (صداقت کے اظہار) اور اَستّ کے ناش (باطل کے مٹانے) میں ہے" (ملخصاً از ص۸۳۵ و ص۸۳۶)

"ہم (دیانند) سہارنپور آئے اور وہاں پر الکاٹ صاحب اور بلیوسکی لیڈی اور مول جی ٹھاکر سے جو کہ امریکہ سے آئے ہیں ملاقات ہوئی۔ صاحب کی اور

ہماری رائے مل گئی ہے کسی پرکار کا بھید نہیں ہے (یعنی کوئی باہمی اختلاف نہیں ہے) انیں کسی پرکار کا چھل چھدر نہیں ہے (یعنے کوئی مکر و فریب نہیں ہے) ان صاحبوں کی اپنی سماج سے کوئی بات ورودھ (خلاف) نہیں ہے" (ص۸۳۷)

"بابو دیارام۔ آنند رہو۔۔۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ امریکہ تھیوسوفیکل سوسائٹی آریہ سماج کی شاخ بن گئی ہے اور امریکہ والے برابر وید کو مانتے ہیں۔ دیانند سرستی از رڑکی ۲۷ جولائی ۱۸۷۸ء" (ص۸۳۲)۔

پیارے مہاشو! اوپر کے حوالجات پڑھ کر تمہاری تسلی ہو گئی ہوگی کہ انڈین مہرشی تمہارے سوامی نے پورے یقین کے ساتھ امریکن رشی تھیاسوفیکل سوسائٹی کے سرگروہ کو اپنا ہم خیال اور بلا اختلاف رائے آرین مہرشی کا ہم مذہب اور تن من دھن سے صداقت کا اظہار اور جھوٹ کا مٹانیوالا اور دوگنی لیاقت رکھنے والا بنا کر اپنا دستخطی سرٹیفکٹ عطا فرما دیا ہے۔ اسلئے اب یہ کہنے کا ہر ایک کو حق ہے۔ کہ ۱۸۷۸ء میں سوامی جی تھیاسوفسٹ اور کرنیل الکاٹ آریہ سماجی ہیں۔ جو حقیقتاً ایک ہی روح دو قالبوں میں نظر آتی ہے۔ اور یہ پوری پوری لامذہبی ہے جسکا کوئی مذہب نہیں سوائے خیالی باتوں کے جو سوسائٹی نے فوراً تالیف و تصنیف کر کے اپنے لئے بنالی ہیں۔ لہٰذا ۱۸۷۸ء تک ویدوں کا پورن ودوان بانی آریہ سماج اور سردار تھیاسوفیکل سوسائٹی سوامی دیانند کوئی مذہب نہیں رکھتا تھا۔ اور ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ جدھر کسی تعلیم یافتہ انگریزی دان نے لگایا اُدھر ہی چل پڑا۔ اگر بے سوچے تھیاسوفیکل کے ڈپلومہ پر دستخط کر دیئے تھے تو اس سے تمہارے سوامی اور مہا رشیوں کی لسٹ میں درج ہونیوالے مہارشی کی ناقہمی غیر مستقل مزاجی کا بدیہی ثبوت ملتا ہے۔ مگر یہ عذر بے دلیل ہے۔ صحیح اور سچی بات یہی ہے کہ درحقیقت سوامی دیانند جی کا کوئی مذہب نہ تھا۔ تھیاسوفیکل سوسائٹی نے اپنے قواعد میں بصراحت ظاہر کر دیا تھا کہ سوسائٹی مذکور کا اعلیٰ ممبر وہ ہو سکتا ہے جو کسی ایک طرز مذہب پر بہ ترجیح دوسرے طرز مذہب کے مائل نہ ہو۔

اور گوتم بُدھ اور زرتشت اور کنفیوشیس کی تعلیمات کو پھیلانیوالا ہو ایسی سوسائٹی میں دیانند صاحب کا داخل ہونا یا اُس سوسائٹی کو اپنی جماعت کی شاخ قرار دینا انہوں کو بھی دِکھائی دے رہا ہے کہ انڈین مہرشی آرین مہاپُرش ایک لا مذہب شخص تھا اور بالکل بے پیندے کا لوٹا جو اِدھر اُدھر لڑھکتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس تھیاسوفیکل سے بھی اپنے سال وفات کے قریب ۱۸۸۲ء میں اس سوسائٹی کے بانی کو ناستک (مُنکر خدا) کہکر آخر کار علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اور بمبئی میں بیٹھکر یہ اعلان شائع کرتا ہے۔

"تھیوسوفیکل سوسائٹی کے بارہ میں ہم نے اسجگہ پَتر (اشتہار) چھپوایا ہے۔ تمکو بھیجتے ہیں تم اُنکو چھوٹی چھوٹی سماجوں میں بھیجدینا۔ اور جب یہ پَتر پہونچے تو اسکا ایک دیاکھیان (لیکچر یا اطلاع) دیدو کہ سوامی جی نے تھیوسوفسٹوں سے قطع تعلق کر دیا ہے۔ مارچ ۸۲ء از بمبئی" صفحہ ۸۴۲

یہ قطع تعلق کیوں اور کس بنا پر ہوتا ہے۔ اسکا مفصل ذکر "جیون چرتر کلاں" کے ۸۴۱ سے ۸۴۴ صفحہ تک درج ہے جمیں سے ہم سوامی جی کا عذر گناہ بدتر از گناہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

"بے علم اور نادان سنیاسی انڈین مہرشی ۱۸۸۲ء میں بمبئی جاتا ہے تو وہاں جاکر لوگوں کو بتاتے ہیں کہ میں نے امریکن رشی اور امریکن رشیانی میڈم بلیوسکی کو چِٹھی لکھی ہے کہ "آپ لوگوں کو ایشور (خدا) کی موجودگی میں شک ہے۔ اور آپ لوگوں نے جو امریکہ سے چِٹھی پہلے لکھی تھی اپنے مذہب کا نام اسمیں تھیوسوفسٹ لکھا تھا ہمنے انگریزی جاننے والوں سے لفظ تھیوسوفسٹ کے معنے دریافت کئے اُن لوگوں نے بعد مطالعہ کرنے لُغات کے جواب دیا تھا کہ لفظ تھیوسوفی کے اصلی معنے ایشور کی بُدھی مت کے ہیں۔ پس اس سے ہمنے سمجھا تھا کہ تم لوگ ایشور پرست ہو اسلئے تمہارے لئے متر تا (بھائی چارہ) کرنے میں میرے لئے کوئی رُکاوٹ نہیں رہی تھی۔ اب تمہارے دیاکھیان (لیکچر) اسکے

خلاف دیکھتے ہیں۔ ۔۔۔۔ ہم دونوں ملکر اس وشے (مسئلہ) میں مُباحثہ کریں اگر تم سے ہو سکے تو ہمارے دل سے ایشور کا خیال اوٹھا دو (یہ خیال تمہارے دل میں داخل ہی کب ہوا تھا۔ کیا اس چوہے کے ذریعہ سے جو مہادیو کی مورتی کی پوجا کو شیوراتری کی رات میں برآمد ہوا تھا۔ فاروق) ورنہ ہم سے ہو سکیگا تو ہم تمکو ایشور کا ثبوت پہونچا دینگے۔" صفحہ ۸۴۴۔

کیا یہ مہاپُرشوں اور خدا پرستوں اور مصلحانِ قوم اور ریفارم کرنیوالوں اور مہارشی کہلانے والوں کا حال ہے جن شخصوں کی نسبت یہہ کہا گیا ہو کہ "ان صاحبوں کے پہلے خطوط اور ساتھ مِلن کی بات چیت کرنیسے نسچے (یقین) ہو گیا ہے۔ کہ ان کا تن مَن دَہن صداقت کے اظہار کرنے میں ہے۔" صفحہ ۸۳۶ اور اعلان کر دیا ہو کہ "ان صاحب (امریکن رشی) کی اور ہماری رائے مل گئی ہے کسی پرکار کا بھید (یعنے کسی طرح کا اختلاف رائے) نہیں ہے۔ ان میں کسی پرکار کا چھل چھدر (مکر فریب) نہیں ہے ان صاحبوں کی آریہ سماج سے کوئی بات وِروہ (خلاف) نہیں ہے اور جن کو اپنی جانب سے کاغذات پر دستخط کرنیکا بھی اختیار دیدیا ہو۔" صفحہ ۸۳۷۔

اب اتنی مُلاقاتوں دِنرات کی باہمی گُفت و شنود اور بات چیت اور ہمجنی و یکجائی کے بعد یہہ کہا جاتا ہے کہ ہم تو تمہارے مذہب اور عقائد سے ناواقف تھے اور آج تک سمجھے ہی نہ تھے کہ تم ناستک (مُنکر خدا) ہو۔ حماقتِ صریح اور جہالتِ قبیح نہیں تو اور کیا ہے؟ دیانندیو! یہہ ہیں وہ تمہارے لا مذہب سوامی جو ملمع سازی سے اپنی لا مذہبی کو چھپا کر لوگوں سے جان چھوڑانا چاہتے ہیں کہ کہیں خدا پرست لوگ دہریہ ہی نہ کہنے لگیں۔ ورنہ اپنا کوئی اور سکا مذہب نہ تھا اور مرتے دم تک وہ لا مذہب ہی رہا۔ دو بُت پرستوں کے گھر پیدا ہُوا بُت پرستی میں پرورش پائی چوہے کی اُٹھ پٹھیر سے جو توحید سیکھی تھی وہ گھر سے نکلنے کے دو چار دن بعد ہی ایک مورتی کے آگے رو بیٹھ لنگوٹی وغیرہ چڑھا کر رفو چکر ہوئی چالیس سال کی عمر سے زیادہ عرصہ تک بُت پرستی کا خیال تمام سفر میں اسکا رفیق رہا۔ ویددن کو پڑھتے اور مکمل سنیاسی بننے کے بعد بھی وہ بے پوئیں اُسی باپ دادا کے مذہب لِنگ پرستی کا شیدا رہا اور آخر ۵۸ سال کی عمر تک موت کے قریب زمانہ میں بھی تھیوسوفیکل سوسائٹی کا سردار بنکر اپنا لا مذہبی پر مُہر کر گیا۔

باب دہم

بد اثر صحبت - لالچ - دیانت - تنگدلی - علمیت

آریہ سماج کا مہرشی لالچی بھی ضرورت سے زائد تھا۔ اور اس کی دیانت بھی مشکوک تھی۔ اور اس کی تعلیم کا اثر بھی دیرپا نہ تھا۔ اور اس کے خیالات بھی تنگدلی پر مبنی تھے۔ اور اس کی علمیت بھی مسلمہ نہ تھی۔ اور اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ وہ کسی مذہب پر قائم نہ تھا۔ میں اپنے اس دعویٰ پر نمونتاً چند ایک دلائل اور واقعات پیشکر کے ناظرین کی توجہ خاص طور پر اسطرف مبذول کراتا ہوں تاکہ وہ غور سے سُنیں۔

ماسٹر لچھمن پرشاد پر اثر صحبت

دسمبر ۱۸۷۷ء میں دیانند مہاراج جہلم میں پہونچے وہاں لچھمن پرشاد نامی ایک شخص رسالہ نمبر ۱۲ میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ اُنھوں نے ہی جہلم میں دیانند جی کے ٹھہرانے اور لیکچر وغیرہ کا انتظام کیا تھا۔ یہ برہمو مذہب کے پیرو تھے۔ سوامی صاحب کی فیض صُحبت سے آریہ ہوئے۔ جھٹ سوامی صاحب نے جہلم میں ایک سماج قائم کر کے اسکا پردھان انکو بنادیا مگر جسطرح چوہے کی توجید نے دیانند صاحب پر چند روز تک اثر رکھا تھا۔ اسی طرح اس مہارشی کی تعلیم و صحبت کا ماسٹر مذکور پر دیرپا اثر نہ ہوا اور چند ہی قدم ویدک دہرم میں چلکر سماج سے رُخصت ہو گئے اور دیانندمت کا خوب ردّ کرنے لگے۔ جیسا کہ جیون چرتر میں لکھا ہے کہ

> ”ماسٹر جی چند سالوں سے سُنا ہے پھر برہمو ہو گئے۔ اور لوگوں کو کچھ کا کچھ کہتے پھرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ مینے سوامی جی کے سامنے وید الہامی نہیں مانے تھے کہیں کہتے ہیں کہ سوامی جی خود بھی (ویدوں کو) الہامی نہیں مانتے تھے۔“ صفحہ ۳

پنڈت بھیم سین شرما پر تاثیر صحبت

یہ پنڈت آریہ مہارشی کے قوت بازو اٹاوہ کے رہنے والے بڑے سنسکرت کے فاضل ہیں۔ دم وفات تک سوامی جی کے ساتھ رہے۔ سوامی جی کے تمام لیکچروں وعظ و پند سے مستفیض ہونیکا سب سے زیادہ موقعہ انہی کو حاصل ہوا۔ رشی جی کے لیکچروں کے اشتہار بھی انہی کے نام سے شائع ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ جیون چرتر کے صفحہ ۹۷۷ پر ان کی فضیلت کا اسطرح اقرار کیا ہے کہ ”پنڈت بھیم سین جی سناڈھ برہمن جو اسوقت ایک نامی پنڈت ہیں۔ اور رسالہ آریہ سدھانت کے ایڈیٹر ہیں۔“ باایں ہمہ وہ بعد وفات دیانند صاحب کیا کیا بنے؟ وہی سناتنی پنڈت اور آریہ سماج کے سخت مخالف دہرم سبھا کے جلسوں میں آریہ سماج کی بڑے زور کے ساتھ تردید کرتے اور دیانندپنتھ کے خلاف ایک دوسرا اخبار ”برہمن سردس“ نام سے جاری کئے ہوئے ہیں۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ آریہ مہرشی کی تعلیم کا اثر دیرپا نہیں اسلئے کہ اس کے اندر کوئی صداقت نہ تھی جو دلوں پر سکہ بٹھالے۔

پنڈت کھڑک سنگھ پر فیض صحبت

جون ۱۸۷۸ء میں دیانند صاحب امرتسر آبیراجتے ہیں وہاں پنڈت کھڑک سنگھ ایک عیسائی تھے۔ عیسائیوں نے ان کو سوامی جی سے مباحثہ کرنے کو بُلایا وہ آتے ہی ایک دیانندی باوگیان سنگھ سے کہنے لگے کہ مجھے سرستی جی کے پاس لے چلو ۴ بجے کے قریب وہ دیانندی اسکو سوامی جی کے پاس لے جاتا ہے۔ پنڈت کھڑک سنگھ سلام کر کے بیٹھ گیا آگے مہارشی جی کے ساتھ لوگ مذہبی بات چیت کر رہے تھے اُن معترضین یا سائلین کو کھڑک سنگھ صاحب دیانند جی صاحب کی طرف سے جواب دینے لگتے ہیں۔ اونہیں سے ایک برہمن نے کہا کہ ہم تو سوامی جی سے گفتگو کرتے ہیں کھڑک سنگھ نے جواب دیا کہ جب ہم سے تمہاری تسلی نہ ہو گی تب سوامی جی سے پوچھ لینا جب جلسہ برخاست ہوا یعنے یہ لوگ چلے گئے تو اس ناخواندہ مہمان کو دیانندی میزبان اپنے گھر لے گئے۔ اور جاکر دیکھتے کیا ہیں کہ محض سوامی جی کے درشن سے ہی مارے خوف کے

عیسائی دین انکے اندر سے بالکل نکل گیا اور وہ پکے سوامی جی کے پیرو (دیانندی) ہو گئے۔ اور آریہ سماج کا اُپدیش دینا شروع کر دیا۔ پادری صاحب گئے تو مُباحثہ کو اُٹھ اپنے دین سے (صرف آریہ مہارشی کی صورت دیکھنے اور پاس چند ساعت بیٹھنے سے) ہی ہاتھ دھو بیٹھے ص۳۴۳۔

ناظرین کیا عجب کرامت ہے۔ سنیاسی جی مہاراج کی کہ پنڈت کھڑک سنگھ عیسائی مُباحثہ کے لئے بُلایا جاتا ہے۔ وہ بلا اجازت بُلانیوالے عیسائیوں کی ایک دیانندی کے ساتھ شوق زیارت میں کاٹھیاواڑی سنیاسی کے پاس پہونچتا ہے۔ وہاں تھوڑی دیر بیٹھنے سے ایسا گرویدہ ہو جاتا ہے کہ مُباحثہ وغیرہ تو رہا ایک طرف بغیر سننے کسی تبلیغ یا تقریر یا اُپدیش (پند و نصیحت) کے لٹو ہو کر ایک دم دیانندی بنجاتا اور دیانندی پنتھ کا پرچار شروع کر دیتا ہے۔ کیا عجب فسانہ ہے جسکا حرف حرف صحیح اور قابل پذیرائی ہے۔ خیر آخر انجام اِن فیض یافتہ صحبت کا کیا ہوتا ہے کہ چند عرصہ کے بعد پھر آرین دھوتی اوتار کر مسیحی پتلون پہن دیانندیوں کی وہ خبر لیتا ہے کہ "اُصول و تعلیم آریہ سماج" کے نام سے متعدد رسالے شائع کر کے دیانندیوں کو نیچا دکھاتا ہے۔ جن کے جواب میں لیکھرام مقتول فضول باتیں بنا کر اپنا پیچھا چھڑاتا ہے۔ دیکھو کلیات آریہ مسافر صفحہ ۲۸۷ لغایت ۳۲۵۔

یہ ہے دیانندجی مہاراج کی تعلیم و صحبت کا اثر دیرپا جس سے اسکی صداقت کا ایک محقق کو خوب پتہ لگ جاتا ہے:۔

اِندرمن مُرادآبادی اور دیانند سرستی۔

منشی اندرمن مرادآبادی ایک سناتنی ہندو تھا جسمیں بہت مذہبی جوش تھا۔ باوجود موورتی پوجا (بُت پرستی) کرنیکے وہ قدیم ہندو مذہب کے لئے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ قلمی مناظرات میں مشغول رہتا تھا۔ اور اس شغل میں اسکا دل غیظ و غضب اور اسلام کی عداوت سے بالکل سیاہ ہو گیا تھا۔ اس شخص نے اسلام کے خلاف کئی کتابیں تحفۃ الاسلام۔ پاداش اسلام۔ اصول دین احمدؐ۔ اندر بجر۔ حملہ ہند۔ صمصام ہند

صولت ہند وغیرہ۔ اُردو فارسی میں لکھکر شائع کیں۔ جن کے دندان شکن ناقابل تردید جواب علماء اسلام کی طرف سے خلعۃ الہنود۔ اصول دین ہندو۔ تیغ فقیر برگردن شریر۔ اعجاز محمدی۔ ہدیۃ الاصنام۔ تحفۃ الہند۔ حجۃ الہند۔ ظفر مُبین۔ فتح المبین۔ سیف اللہ۔ سوط اللہ الجبار علی متن الکفار۔ بُت شکن وغیرہ اردو فارسی نظم و نثر میں طبع ہو کر ایسے مقبول عام ہوئے کہ پھر قلم اُٹھانیکی اس کو جرأت نہ رہی۔ ۱۸۷۹ء میں جب سوامی دیانند مُرادآباد گئے۔ تو وہاں ایسی چڑیا کو اپنے جال میں لانے کی بہت کوشش کر کے اس کو ہندو سے آریہ بنا کر اپنی قدیمی چال کے مطابق آریہ سماج مُرادآباد کا پردھان (پریسیڈنٹ) مقرر کر دیا۔ اور اوسکے شاگرد اور قوت بازو لالہ جگن ناتھ کو بھی آریہ بنا کر سماج میں ایک عہدہ پستکادھیکش کا عطا فرما دیا۔ اب مسلمانوں کے خلاف زہر اُگلنے کے لئے بوجہ اسلام سے ناواقف ہونے کے اندرمن کو اپنا اُستاد بنا کر جس جگہ اہل اسلام سے کوئی مُباحثہ ہونے کو آیا اندرمن کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ اور پہلے اُس کی کتابیں سُن سُن کر کچھ شُد بُد اسلام کے خلاف بولنے کے لئے حاصل کی جیسا کہ جیون چرتر کلاں میں لکھا ہے کہ کان پور میں سوامی صاحب نے "منشی اندرمن کی کتابیں سُنیں اور اس کے بعد مسلمانوں کا کھنڈن (رد) شروع کیا" ص۴۱۱:۔

بھلا جس شخص کے معلومات کا مدار اندرمن جیسے دُشمن اسلام کی کتابوں پر تھا ایسے شخص سے مُباحثات اور مناظرات میں کسی تہذیب و شایستگی کی اُمید رکھنا چیل کے گھونسلے سے گوشت کی تلاش کرنا نہیں تو کیا ہے؟ غرض کہ اندرمن کی سابقہ شہرت اور اس کی فارسی و اُردو کی قابلیت کے سبب عام آریوں میں اوکی عزت ہونے لگی اور سوامی جی کی بھی اوپر نظر عنایت تھی (ص۴۱۲) کہ ۱۸۸۰ء میں اندرمن نے دوبارہ حملہ ہند اور صمصام ہند اپنے مطبع میں جو کہ اب مُرادآباد میں اوسنے قائم کیا تھا۔ طبع کیں۔ چونکہ یہ کتابیں انسانی زبان میں نہ تھیں بلکہ حیوانیت سے پُر اور نہایت امن شکن تھیں۔ مُرادآباد کے "جام جمشید" اخبار میں

ان کتابوں کے امن شکن ہونے پر ایک آرٹیکل نکلا جس پر بحکم گورنمنٹ مجسٹریٹ مُراد آباد نے زیر دفعہ ۲۹۲ و ۲۹۳ تعزیرات ہند وارنٹ جاری کیا۔ اور بعد تحقیقات یہ دونوں کتابیں تلف کرا کر اندرمن کو پانچسو روپیہ جُرمانہ کی سزا دی۔ عدالت اپیل سے ایک سو جرمانہ بحال رہا باقی غریب جانکر معاف کر دیا۔ چونکہ یہ شخص آریہ بن چکا تھا۔ دیانند صاحب کو اس مقدمہ میں اس سے پوری ہمدردی ہوئی۔ خصوصاً اس لئے کہ مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ تھا۔ لہذا تمام آریہ سماجوں کو مالی امداد کے لئے دیانند صاحب نے گشتی چھٹی بھیجدی پھر روپیہ آریوں اور عام ہندوؤں کی طرف دھڑا دھڑ آنے لگا۔ ناظرین ابھی ابھی آپ دیکھینگے کہ جس کی آج پشت و پناہی سوامی جی کر رہے ہیں کل کو سخت عبرتناک نظارہ دِکھلا کر وہ سوامی اور اس کی سماج اور ویدک دہرم کو سلام کر کے الگ ہوتا ہُوا نظر آئیگا۔

امداد فنڈ کا روپیہ کچھ تو براہ راست اندرمن کے پاس اور کچھ سوامی صاحب کے نام اور کچھ اوس کمیٹی کے خزانچی کے نام جو میرٹھ میں اس امدادی روپیہ کے آمد و خرچ کے لئے بنائی گئی تھی آتا رہا۔ مقدمہ کا انجام تو آپ سُن چکے بعد فیصلہ مقدمہ منشی صاحب اس کل امدادی رقم کو جو سوامی صاحب کے نام یا میرٹھ کمیٹی کے پاس پہونچتی رہی اپنا مال سمجھکر لینا چاہتے تھے۔ اور قریب چھ سو بقول منشی صاحب اور ڈیڑھ سو بقول دیانند جی وہ وصول کر چکے تھے۔ یہ رقم ان کو تو نہ ملی اور ادہر اُدہر ہی غائب ہوتی دیکھ کر منشی صاحب سے برداشت نہ ہوئی تو آخر کار منشی صاحب نے دیانند اور ویدک دھرم سے ناراض ہوکر صمصام زبان سے بانی آریہ سماج کی حمایت ناواجب اور بے محل ہمدردی کا جو بمقابلہ اسلام اندرمن کی کیگئی تھی) شکریہ ادا کیا۔

”چنانچہ شاہجہان پور کے رسالہ ”آریہ درپن“ کے ایڈیٹر نے مشتہر کیا کہ فیروزپور۔ گورداسپور امرت سر۔ لاہور۔ میرٹھ۔ فرخ آباد۔ بمبئی۔ جہلم۔ راولپنڈی۔ کانپور۔ لکھنؤ۔ داناپور۔ الٰہ آباد وغیرہ وغیرہ آریہ سماجوں اور دیگر سبھا سوسائٹی وغیرہ وغیرہ سے اسوقت تک قریب چار ہزار روپیہ جمع ہو چکے تھے۔“ (دیانند چرت مؤلفہ دیورتن ص۵۹)

اور منشی کنہیالال الکھ دہاری نے ایک چھٹی اندرمن کو لکھی جسمیں جمع شدہ روپیہ کی تعداد چھ ہزار بتائی اور وہ چھٹی یہ ہے۔

”عنایت فرمائے منشی اندرمن صاحب زاد عنایتہٗ بعد سلام و نیاز گذارش ہے۔ کہ بدریافت منظوری اپیل کے کچھ بھروسہ ہوتا ہے مگر جب تک یہ بات نہ ہو کہ جیسے آپ کی کتابیں چاک کی گئی ہیں۔ مخالفین (اہل اسلام) کی بھی جلادی جائیں۔ اور جرمانہ معاف ہوکر طرفین سے مچلکہ لیا جائے تب تک میرا دل خوش نہ ہوگا۔ مد چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ الکھ دہاری کا دل بہ رنج و غم ہی رہا اور خدا نے خوش ہی نہ ہونے دیا۔ فاروق) حکم آخری سُننے کا منتظر ہوں۔ سوامی دیانند سرستی جب آگرے میں تھے بذریعہ اپنے ایک عزیز کے مینے اُن سے دریافت کیا کہ چندہ کا کیا حال ہے۔ انھوں نے کہا کہ چھ ہزار روپیہ میرٹھ میں ایک کی دوکان پر جمع ہے۔

۱۵ر جنوری ۱۸۸۱ء (دیانند چرت ص۶۰ مؤلفہ پنڈت دیورتن)

اس چھٹی کے زیر خط جلی حروف قابل توجہ ہیں کہ الکھ دھاری صاحب چھ ہزار روپیہ کی آمد بتاتے ہیں۔ غرض یہ چرچہ جب اندرمن نے کرنا شروع کیا اور معاملہ پبلک میں آگیا تو سوامی جی نے میرٹھ کمیٹی کی طرف سے ایک حساب شائع کیا جو آریہ سماچار میرٹھ“ کے صفحہ ۲۵۱ بابت مارچ ۱۸۸۳ء میں اور ”جیون چرتر کلاں“ صفحات ۸۲۱ پر درج ہے جسمیں چندہ کی کل آمدنی بجائے چھ ہزار مندرجہ چھٹی الکھ دھاری صاحب ۱۵۱۴ روپیہ بتاکر ۹۶۳ روپیہ خرچ دکھایا گیا ہے۔ اور باقی ۵۵۲ واپس چندہ دہندگان کو دیا جانا بتایا ہے۔ معلوم نہیں کہ باقی چار ساڑھے چار ہزار روپیہ کدھر گیا۔ یہ ہے سوامی جی کی دیانت کا حال۔ آخر یہ کہ ۳ر مئی ۱۸۸۳ء کو اندرمن آریہ سماج مراد آباد کی ممبری اور صدارت وغیرہ سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی لالہ جگناتھ بھی دیانندی مت کو سر سے اُتار پھینکتا ہے ص۸۲۲

ناظرین ایسی بہت ہی وارداتیں اور مثالیں ہیں۔ جن سے ہمارے مضمون کے

عنوان پر بڑی روشنی پڑتی ہے کہ دیانندی پنتھ یا آریہ دہرم کے اصول و عقائد کسی روشن خیال سمجھدار ذی علم انسان کو تسلی نہیں دے سکتے کیونکہ ویدک دہرم میں کوئی راستی کی نورانی جھلک ہی نہیں تھی۔ مگر اس کتاب کے مناسب حال اسی قدر پر اکتفا کر کے اب مہارشی کے لالچ کی ایک آدہ مثال پیش کرتا ہوں۔

غضب کا لالچ

دیانندجی مہاراج جب کہیں جانے اور کسی شخص کے مہمان ہوتے تو اپنے کھانے کے خرچ کے لئے میزبانوں سے جہانتک ممکن ہوتا نقد دام لینے کی کوشش کرتے اور صاف کہہ دیتے کہ میرے ساتھ اتنے آدمی ہیں۔ ان سب کے کھانے کے لئے اسقدر روپیہ چاہیے۔ جب حسب مصارف خوراک نقد مل جاتے تو کل رقم اپنی جیب میں رکھتے اور نوکروں ہمراہیوں کو اسمیں سے کچھ نہ دیتے۔ چنانچہ پنڈت بھیم سین شرما جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ جو دم وفات تک سوامی جی کے ہمدم رہے اور پھر بعد وفات ویدک دہرم کو چھوڑ قدیمی ہندو مذہب پر لوٹے اور "برہمن سروس" ایک اخبار دیانندی پنتھ کے خلاف جاری کیا۔ وہ شرما صاحب اپنے اس اخبار میں لدہیانہ کے قیام کا واقعہ لکھتے ہیں۔ (جبکہ وہ بھی ساتھ ہی تھے۔ صفحہ ۲۹۶)

"سوامی دیانندجی سہارنپور سے لدہانہ پہنچے۔ وہاں لالہ کنہیالال الکھدہاری جی نے ٹھیرانے کا پربندہ (انتظام) کیا۔ پوچھا گیا کہ سب شخصوں کو ہر روز بھوجن کا سامان کتنا چاہیئے۔ سوامی جی نے کہا کہ پرتی دن سب کے بھوجن (کھانا) کا خرچ ۱۲ ہے۔ سو ہمارے رسویا کو دیا کرو۔ جس سے آپ لوگوں کو بار بار چیزوں کے لانے کا جھگڑا اور شرم نہ کرنا پڑے۔ جو کچھ چاہیگا ہمارا آدمی بازار سے لے آیا کرے گا۔ اسکا مطلب یہ تھا کہ رسویا کے سوا اور آدمیوں کو بھوجن نہیں دیتے تھے۔ پر لیتے سب کے نام سے تھے"۔ (برہمن سروس صفحہ ۱۱۷ دیانند چرتر دپور تن صفحہ ۵۷)

آہ! کسقدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ ایک مہارشی اور یہ کارروائی ایک

سنیاسی اور یہ لالچ۔ اسی پر بس نہیں آگے اور شرمناک طرز کا پتہ لگتا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص بجائے نقدی دینے کے سب ہمراہیان کے لئے اندازہ کر کے رسد لے آتا تو سخی مہاراج اس رسد کو اپنے نوکروں کے ہاتھ بیچ ڈالتے اور اس سے جو آمدنی ہوتی وہ اپنی گرہ میں کر لیتے۔ اس واقعہ کو بھی وُہی پنڈت بہیم سین شرما اپنے اُسی اخبار میں اسطرح ظاہر کرتے ہیں۔ کہ

"سوامی دیانند اکثر کھانے کے خرچ کے لئے نقد روپیہ لینے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن جب کبھی ایسا ہوتا کہ بنا پوچھے آٹا۔ دال گھی۔ بھوجن کا ادہک سامان کوئی لے آتا تو اسمیں جتنا اپنے خرچ سے زیادہ ہوتا تھا اسکا حساب لکھ کر اپنے پاس رکھتے تھے۔ رسوئے کو بھی کافی گھی وغیرہ نہیں دیتے تھے۔ اور بازار میں اس سامان کے بکوانے میں دقت سمجھکر اپنے پاس رہنے والے نوکروں کو آٹا۔ دال گھی بیچ دیتے تھے۔ یعنے جس جس کو جتنا جتنا بھوجن کا سامان دیا اُس اُس کے نام اُتنا اُتنا لکھتے گئے اخیر میں جوڑ کر بازار کے بھاؤ سے اُتنا اُتنا اُن کی تنخواہ میں سے کاٹ لیا کرتے تھے"۔ (دیانند چرت مؤلفہ دیورتن صفحہ ۵۸)

دیانندیو! کیا یہ واقعات غلط ہیں؟ کوئی ان کا جواب تمہاری طرف سے نکلا؟ اگر نکلا ہے تو دکھاؤ۔ اور واقعات اور شہادت حقہ سے اس الزام کو اپنے گورو کے سر پر سے اوٹھاؤ۔ ورنہ لوگوں سے شرماؤ اور کسی کو منہ نہ دکھاؤ۔

تنگ خیالی

آریہ مذہب کا نو ساختہ مہرشی بجز اسکے قدیم ہندو دھرم کی مذمت کرنے میں حسب منشا گورو جماعت (یعنی ہندو جنٹلمین تعلیم یافتہ پارٹی) سب اینٹ پتھر۔ آگ پانی۔ ہوا۔ اناج۔ سورج چاند۔ منگل۔ سنیچر۔ ماں۔ باپ۔ بھائی۔ دادا۔ پردادا۔ شیو۔ وشنو وغیرہ وغیرہ مخلوق اشیاء کو پرمیشر قرار دیتے ہیں۔ ایک نیا کمال دکھا کر جدید وید بنا گیا۔ باقی تمام رسومات قومی میں اسی طرح جکڑا رہا جسطرح عام ہندو ہیں۔ مثلاً

گوبر سے چوکا لگاتا۔ جنیؤ کے دھاگے کو مذہبی نشان بتاتا۔ ہولی دیوالی مناتا چھوت چھات کرتا کراتا ماتھے اور بازوؤں پر چندن وغیرہ کا ٹیکا جماتا۔ گاؤ پرستی اور آتش پرستی کو ہوم وغیرہ کی صورت میں بجالاتا ہوا ستاروں اور پہاڑوں درختوں منتر جنتر سیتلا وغیرہ کی سعادت اور نحوست کا قائل رہکر اپنی تنگ خیالی کا ثبوت دیکر آخر ۳۰ر اکتوبر ۱۸۸۳ء کو بال برہمچاری جی جس نے قریباً پانچسو سال کی عمر پائی تھی بقول لیکھرام مقتول بعارضہ کانچ خورانی اور بقول دیگر آریہ صاحبان زہر خورانی اور بقول مخالفین کسی کشتہ کو بے اعتدالی سے استعمال کرنیکی وجہ سے۔ بقول بعض اپنی قدیمی بیماری سنگرہنی اور اسہال کے عارضہ سے ۵۹ سال کی عمر میں خسکم جہان پاک کرکے دُنیا سے رُخصت ہوگیا۔

خاتمہ

ناظرین! الحمد للہ کہ آریہ سماج کے بانی کی تاریک زندگی کو پبلک کے سامنے پیش کرنے میں خدا کے فضل سے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ اب دیانندیوں سے پُوچھتا ہوں کہ جس مذہب کے بانی کی مذہبی زندگی کی یہ حالت ہے جو کہ گذشتہ بابوں میں بیان ہوئی۔ کیا ایسے شخص کو ہی مہاتما۔ مہاپرش۔ مہارشی واجبی طور پر دوسروں کے سامنے کہا کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ذرا اُٹھ کر اُسے مہاپُرش ثابت کر دکھاؤ جو کارے دارد کا معاملہ ہے۔ ہم نے حتی الوسع وہ صحیح واقعات جن سے کوئی نتیجہ نکالا ہے آریہ سماج کی مسلمہ شہادتوں سے پیش کئے ہیں۔ ورنہ سناتن دھرم۔ جینی مت اور دیگر مخالفین دیانند کی شہادت اگر لکھنی شروع کر دیتے تو اس مہرشی کی تصویر اور بھی ڈراونی اور قابل نفرت بن جاتی۔ خدا تعالے میری اس دینی خدمت کو بہتوں کی ہدایت کا موجب بنائے اور قبولیت عامہ کا اسکو شرف بخشے۔ آمین + وما علینا الا البلاغ المبین:۔

۲۶ر اگست ۱۹۲۳ء

بقیہ فہرست مضامین از صفحہ گذشتہ